میر تقی میر کا غیر مطبوعہ

دیوانِ ہفتم

دریافت وانکشاف

ڈاکٹر معین الدین عقیل

میر تقی میر کا غیر مطبوعہ دیوانِ ہفتم

دریافت وانکشاف

میر تقی میر کا غیر مطبوعہ دیوانِ ہفتم

دریافت وانکشاف

ڈاکٹر معین الدین عقیل

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر 1652

نام کتاب : .... میر تقی میر کا غیر مطبوعہ دیوانِ ہفتم
دریافت وانکشاف
مرتب : .... ڈاکٹر معین الدین عقیل
سنہ اشاعت : 2021

سرورق : .... محمد ساجد
بہ اہتمام : .... محمد ساجد
طباعت : .... اِمیجز اینڈ امپریشن، انصاری روڈ، دہلی-2

Mir Taqi Mir Ka Gher Matbua Diwan-e Haftum

Edited: Dr Moinuddin Aqeel
Edition: 2021
Price: 250/-

ISBN: 81-7160-197-9

Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
Ph. 0091-11-23237722, E-mail: farouqui@yahoo.com
www.atuh.org

فہرست

انتساب

عزیز گرامی

محمد سہیل عمر

کے نام

کہ جن کی کوششوں کے نتیجے میں مجھے ملیشیا کی 'انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' کے ادارہ 'انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ اوف اسلامک سویلائیزیشن اینڈ تھوٹ' کے کتب خانے میں محفوظ زیر نظر دیوان کے منحصر بفرد مخطوطے کا عکس میسر آیا۔

میر تقی میر کا غیر مطبوعہ دیوانِ ہفتم

دریافت وانکشاف

میر تقی میر (۱۷۲۴ء۔۱۸۱۰ء) اردو کے صفِ اول کے شاعر ہیں جن کی شاعری اور حالاتِ زندگی اور عہد پر مطالعات وتحقیقات کی کمی نہیں اور ہر ہر پہلو اور حوالے سے ان کی شاعری اور شخصیت و عہد مختلف صورتوں میں موضوعِ مطالعہ بنتے رہے ہیں اور وقیع مطالعاتِ تنقید وتحقیق ہر سطح پر متنوع صورتوں میں سامنے آتے رہے ہیں، کہ جن کا ذکر واحاطہ، جن کا ارادہ بھی کیا جائے تو آسان بھی نہیں۔احوال وآثار کے مطالعات پر جہاں متعدد معیاری کوششیں سامنے آئی ہیں وہیں کلام بھی، جس میں فارسی کلام بھی الگ سے قابلِ ذکر ہے، گزشتہ دوسو سال کے عرصے میں اپنی مثالی مقبولیت کے سبب بارہا جستجو وتلاش وتحقیق کے بعد مختلف صورتوں میں شائع ہوتا رہا ہے۔اردو وفارسی کلام کے ضمن میں ''کلیاتِ میر'' (اردو) اور ''دیوانِ میر'' (فارسی) تو بارہا شائع ہوئے ہیں، جن کی اشاعت کے لیے متعدد محققین اور اداروں نے تحقیق وتدوین کے معیاری اصولوں کے مطابق قابلِ قدر متون مرتب کیے ہیں اور ان کے علاوہ ان کی نثری تصانیف: ''ذکرِ میر''[۱]، ''فیضِ میر''[۲] اور ''تذکرہ نکات الشعرا''[۳] ان ہی اصولوں کے تحت مختلف وقتوں میں مختلف مقامات سے تدوین یا ترجمے کے بعد شائع ہوتی رہی ہیں۔ان کے علاوہ میر کی ایک غیر معروف تصنیف ''مجموعِ نیاز'' بھی تھی جس کو پہلے پہل جرمن مستشرق الویس اشپرنگر (۱۸۱۳ء۔۱۸۹۳ء) نے اپنے مرتبہ کیٹلاگ: A Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani Manuscripts of the Libraries of The Kings of Oudh [۴] کے توسط سے اردو دنیا سے متعارف کرایا جو دراصل میر کی ایک فارسی بیاض تھی، جو

فارسی شاعروں کے اشعار کے انتخاب پر مبنی تھی اور جس میں مختلف موضوعات پر نمائندہ فارسی شاعروں کے اشعار کا انتخاب شامل کیا گیا تھا۔ اس میں صرف فارسی شاعروں کے نام اور ان کے اشعار درج کیے گئے تھے، شاعروں کے حالات تحریر کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ غالباً میر کا مقصد اردو شاعروں کے ان کے مرتبہ معروف تذکرہ ''نکات الشعرا'' کی طرح ایسی ہی کوشش کے ذیل میں فارسی شاعروں کا تذکرہ لکھنا مقصد رہا ہو جو نامکمل رہ گیا۔ میر کی یہ کوشش غیر مطبوعہ رہ گئی اور ایک مخطوطے کی صورت میں یہ کینیڈا کے ایک معروف و ممتاز اردو مستشرق عبدالرحمٰن بارکر (۱۹۲۹ء۔۲۰۱۲ء) کی ملکیت میں کینیڈا چلی گئی، جہاں سے یہ عبدالرحمٰن بارکر کے ذخیرۂ کتب کے ساتھ کوالالمپور (ملیشیا) کی 'انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' کے مطالعاتی ادارے:
International Institute of Islamic Civilization and Thought
کے کتب خانے میں 'ذخیرۂ عبدالرحمٰن بارکر' میں محفوظ ہے۵۔ راقم الحروف نے اس کتب خانے کے اس ذخیرے سے خاصا استفادہ کیا ہے اور میر کی مبینہ تصنیف: 'مجموع نیاز' کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اپنے ایک مقالے: ''میر تقی میر: ایک گم شدہ بیاض کی دریافت'' میں اس بیاض کا تعارف تحریر کیا ہے ۶۔

اسی استفادے کے دوران وہاں موجود میر کے دواوین کا علم بھی مجھے ہو گیا تھا لیکن میں نے، وقت کی کمی کے پیش نظر اپنے سامنے میر کی حد تک صرف ''مجموع نیاز'' کو اپنے جائزے و مطالعے کا موضوع بنائے رکھا اور دواوین کے بالاستیعاب مطالعے سے گریز کیے رکھا اور ساری توجہ وقت کی گنجائش کے مطابق دیگر متعدد قدیم مخطوطات کے متون اور مآخذ سے استفادے تک محدود رکھی لیکن 'شادم از زیست کہ کارے کردم' ''مجموع نیاز'' کے علاوہ، ''شاہ عبدالعزیز دہلوی کا ذوقِ ادب''، ''ملیشیا میں غالب کے نوادر اور ایک غیر مطبوعہ ہفت بند: در شانِ مشکل کشا'' کے انکشاف و تعارف کی سعادت میسر آئی ۷۔ بعد ازآں، اسی ضمن میں جب اس لائبریری کے کیٹلاگ کا مزید بغور جائزہ لیا تو پتا چلا کہ دیگر متعدد مقامی و عالمی کتب خانوں کی طرح ملیشیا کے مذکورہ بالا کتب خانے میں میر تقی میر کی فارسی تصنیف ''مجموع نیاز'' کے علاوہ میر کے اردو کلام کی تین جلدیں موجود ہیں جو دراصل میر کے معروف چھے دواوین پر مشتمل ہیں۔ ان ہی دواوین میں ایک ''دیوانِ ہفتم'' بھی ہے۸، جس کے سبب میرا چونکنا عین فطری تھا، کیوں کہ مجھے یہی پتا تھا کہ میر کے اردو کلام کے تو معروف چھے دیوان ہیں جو مختلف صورتوں میں، بالعموم کلیات کی صورت میں، یک جا ہی خام

اور ساتھ ہی تحقیقی و تدوینی تقاضوں کے تحت ترتیب و تدوین کے اہتمام سے بھی چھپتے رہے ہیں، لیکن ملیشیا کے مذکورہ کتب خانے میں مذکورہ کیٹلاگ کے مطابق ''دیوانِ میر'' کی تیسری جلد میں ''دیوانِ ہفتم'' بھی الگ سے موجود ہے!

اس کتب خانے میں موجود میر کے دواوین: جلد اول اور دوم کے علاوہ جلد سوم کی تفصیل یہ ہے:

''دیوانِ میر'' جلد سوم، مخطوطہ نمبر ۲۶۵، مشتمل بر تین جلدیں:

جلد اوّل، مکتوبہ ۱۷ رجب، ۱۲۴۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۸۳۳ء؛

جلد دوم، مکتوبہ ۹ ربیع الاول، ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۳۴ء؛

جلد سوم، یہ جلد پچھلی دو جلدوں سے مختلف ہے جو مجموعی طور پر چار جلدوں: جلد چہارم، جلد پنجم، جلد ششم، جلد ہفتم کا مجموعہ ہے۔

یہ جلد سوم اس لیے اہم بل کہ سب سے اہم یوں ہے کہ یہ ان جلدوں: چہارم، پنجم، ششم پر مشتمل ہے جو معروف اور مطبوعہ ہیں لیکن ایک آخری جلد ہفتم بھی اس میں شامل ہے جو تا حال غیر مطبوعہ ہے اور اب تک غیر معروف بھی رہی ہے۔ یہ ایک اہم دریافت اگر نہیں تو ایک انکشاف ضرور تھا اور اس کے وجود اور اس کی نوعیت اور اس میں شامل کلام سے ادب دوستوں اور خاص طور پر شائقینِ میر کا واقف ہونا ضروری سمجھ کر میں نے اس کا عکس کسی طرح حاصل کر کے اپنے طور پر پیش کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن میں اس کے بعد ہی سے یہاں اپنے وطن میں اپنی آئے دن کی مصروفیات کے سبب، جو بالعموم روز افزوں ہی رہیں، خود ملیشیا جانے کے لیے وقت نہ نکال سکا اور گھر بیٹھے ہی جو جو ذرائع ممکن تھے اختیار کرتے ہوئے اس کے عکس کے حصول کی جستجو اور کوشش میں لگا رہا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ میں اپنے عزیز اور دیرینہ دوست محمد سہیل عمر کا ممنون ہوں جو کبھی کوالالمپور میں 'انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' سے منسلک رہے ہیں اور اب تک اپنا ایک حلقہ وہاں رکھتے ہیں، انھوں نے میری گزارش پر اپنے تعلقات کو استعمال کیا اور اپنے دوست ڈاکٹر عثمان بکر کی توجہ اور سرپرستی کے نتیجے میں بالآخر اس کا ایک عمدہ عکس حاصل کر لیا جس پر میں ان دونوں کرم فرماؤں کا بے حد ممنون و شکرگزار ہوں۔ ایک درمیانی عرصے میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی، مقیم ٹوکیو نے کوالالمپور کے اپنے ایک سفر کے دوران ''انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی'' کوالالمپور کے پروفیسر محمد ممتاز علی صاحب سے اس مخطوطے کے عکس کے حصول کی خاطر رجوع کیا

جن کی کوششوں سے مذکورہ کتب خانے کے گوشۂ مخطوطات تک انھیں رسائی میسر آ گئی اور ان کے ساتھ وہیں مقیم ایک پاکستانی نوجوان ڈاکٹر جنید مغل بھی اس کے عکس کی خاطر مستعد ہوئے اور یہ تینوں حضرات مطلوبہ عکس کے حصول کی کوشش کرتے رہے لیکن افسوس کہ اس کتب خانے کے کیٹلاگ میں مطلوبہ مخطوطے کا اندراج مناسب نہ ہونے کے سبب وہ اصل مخطوطے تک نہ پہنچ سکے اور جو عکس انھوں نے ممکنہ مخطوطے کے مطلوبہ صفحات کا عکس بنا کر مجھے ارسال کیا وہ محنت کے ضیاع کا سبب بن گیا، کیوں کہ مطلوبہ اصل نسخے کے بجائے میر ہی کے کسی دیوان کا مخطوطہ انھیں سہواً فراہم کر دیا گیا تھا، لیکن میں ان تینوں کرم فرماؤں کا بھی شکر گزار ہوں۔ مخطوطے کے حصول کے بعد اس کی قرأت اور نقل کرنے میں عزیزی محمد تنزیل شاہ صاحب نے حد درجے عرق ریزی سے کام لے کر اسے نقل کرنے میں، اور چند مقامات پر عزیزم ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے تقابلِ متون میں معاونت فرمائی اور میرے عزیز شاگرد ڈاکٹر جاوید احمد خورشید نے بعض مآخذ کی بذریعۂ انٹرنیٹ جستجو میں معاونت فراہم کی جس پر میں ان سب کرم فرماؤں کا بے حد شکر گزار ہوں۔

مجھے خوشی ہے کہ بالآخر ''دیوانِ ہفتم'' کا جو ایک عمدہ عکس اپنے مذکورہ بالا دوستوں اور کرم فرماؤں کی توجہ اور زحمتوں کے نتیجے میں اشاعت کے اس مرحلے تک پہنچا ہے، چناں چہ اس کا اب تعارف اور مکمل متن پیش کرنا مقصودِ نظر ہے۔

جلد سوم میں شامل جلدوں: دیوان چہارم، پنجم، ششم اور ہفتم کی تواریخ کتابت اور ان کے صفحات نمبر الگ الگ انفرادی متون کے ساتھ شمار کیے گئے ہیں، جن کی معروضی تفصیل یہ ہے:

دیوانِ چہارم: مرقومہ: ۱۰ر جمادی الثانی، ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۴را کتوبر ۱۸۳۴ء، صفحات: ۱الف تا ۵۹ب؛

دیوانِ پنجم: مرقومہ: ۱۶ر شعبان، ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸ر دسمبر ۱۸۳۴ء، صفحات: ۶۲ب تا ۱۱۵الف؛

دیوانِ ششم: مرقومہ: ۵ر رمضان ۱۲۵۰ھ مطابق ۵ر جنوری ۱۸۳۵ء، صفحات ۱۱۶ب تا ۱۶۳الف؛

دیوانِ ہفتم: مرقومہ: ۱۵ر رمضان ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۴ر جنوری ۱۸۳۵ء، صفحات ۱۶۴الف تا ۱۹۳الف۔

فہرست ساز نے اگر چہ فہرست میں ہر دیوان کے صفحات نمبر درج کیے ہیں لیکن دیوانِ ہفتم میرے پیشِ نظر ہے اور اس کا عکس بھی خاصا صاف شفاف ہے لیکن اس سارے مخطوطے اور اس کے صفحات پر مجھے صفحات نمبر کہیں لکھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ ممکن ہے صفحات نمبر بہت ہلکی روشنائی یا پنسل سے لکھے گئے ہوں جواب معدوم ہو گئے ہیں یا عکس بندی میں نہیں آ سکے۔ میں نے اس پر اپنے قلم سے صفحات نمبر ۱ تا ۵۸ تحریر کیے ہیں جب کہ آخری صفحہ ۵۸ سادہ ہے اور ۵۷

پر دیوان کے صفحہ ۵۶ کی آخری غزل کا آخری شعر یا مقطع یہ ہے:

آنکھوں کی خونابہ فشانی دیکھیں میر کہاں تک یہ
زرد ہمارے رخساروں پر ہردم خون بہا جاوے

اور اس کے نیچے ترقیمہ تحریر ہے، جو یہ ہے:

تمت تمام شد دیوان ہفتم میر تقی مغفور متخلص بمیر شاہجہان آبادی
بخط حقیر فقیر کلب علی خان عرف کالے خان تحریر فی التاریخ
بست ونہم شہر رمضان المبارک، یوم پنجشنبہ ۱۲۵۰ھ۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم	زاں کہ من بندۂ گنہگارم
کاروبار من مکن قہر و عتاب	گر خطائے رفتہ باشد درکتاب
گر خطائے رفتہ را تصحیح کن	از کرم واللہ عالم بالصواب

جب کہ صفحۂ اوّل پر کاتب نے پیشانی پر اس دیوان کا عنوان: ''منتخب کتاب بحر کید میر تقی صاحب'' یا ''منتخب کتاب بحر کبد میر تقی صاحب'' لکھا ہے۔

تعجب یہ ہے کہ میر جیسے معروف و مقبول شاعر کی جب اکثر شعری و نثری تصانیف دستیاب رہی ہیں اور انیسویں صدی کے نصف آخر سے شائع بھی ہونے لگی تھیں اور کلیات تو مطبع نول کشور سے بارہا شائع ہوا ہے، جس میں چھے دیوان شامل رہے ہیں لیکن ساتواں دیوان جو ۱۸۳۴ء۔۱۸۳۵ء میں دستیاب اور معلوم و معروف دواوین کے ساتھ باہم مجلد رہا ہے، دیگر دواوین کے ساتھ تاحال شائع کیوں نہ ہوا؟ لیکن اس سوال سے قطع نظر دیوان کے سرعنوان لفظ ''منتخب'' کا استعمال عمومی روایت سے ہٹ کر اور ایک مختلف مثال ہونے کے سبب کچھ قابلِ غور بھی ہے۔ اس کا عقدہ متن کے بغائر نظر مطالعے کے بعد یوں کھلتا ہے کہ دراصل یہ کسی متداول اور سلسلہ وار مستقل دیوان کا ایک اگلا حصہ نہیں بل کہ یہ اس وقت کی عام روایت سے مختلف ایک ایسی مثال ہے کہ جس کے ذیل میں میر نے اپنے کُل اردو کلام یا اپنے چھے اردو دواوین میں شامل غزلوں میں سے اپنی ۱۴۷ غزلوں کو اپنے کسی معیار سے منتخب کر کے یوں ایک علیحدہ یا مستقل انتخاب ترتیب دیا اور اسے اپنے سلسلۂ دواوین کی ساتویں جلد سے موسوم کیا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ انتخاب خود میر نے نہ کیا ہو اور اس کے کسی عقیدت مند بل کہ اس مخطوطے کے کاتب: کلب علی خان عرف کالے خان ہی نے، جو خود بھی میر کا عقیدت مند لگتا ہے، یہ انتخاب کیا ہو اور اس کے

لیے عنوان: ''بحر کبیر'' بطور صفت اختیار کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ اس زمانے میں ایک مختلف و منفرد کوشش تھی کہ اس طرح کے انتخاب کی کوئی اور مثال شاید اس وقت تک موجود نہیں یا میری دست رس اور علم و حافظے میں موجود نہیں جیسی کہ آج یا بل کہ انیسویں صدی کے آغاز سے عام ہوئی ہے اور آج بہت عام اور مقبول ہے۔ اسی ضمن میں ممتاز و معروف مصنف و محقق ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب سے لاسلکی گفتگو کے دوران موصوف نے اپنے حافظے پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ غالب نے میر کے ایک انتخاب کا ذکر اپنے کسی خط میں کیا ہے۔ یہ امر میرے لیے ایک اضطراب کا سبب بنا! چناں چہ اس تلاش و جستجو کے دوران ممتاز ماہر غالبیات مالک رام کا یہ بیان چونکانے کا سبب بنا کہ ''شاید بہت کم لوگوں کے علم میں یہ بات ہو کہ غالب نے میر کا انتخاب کیا تھا اور یہ میر کا سب سے پہلا انتخاب تھا اور اکمل المطابع، دلی سے چھپا تھا''۹۔ غالب یقیناً میر کو بہت پسند کرتے تھے لیکن جس انتخاب کا یہاں ذکر ہے یہ انتخاب وہ نہیں ہو سکتا جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے جس کا سن کتابت ۱۸۳۵ء ہے، جو میر کے انتقال کے ۱۵ سال بعد عمل میں آیا اور اس کے مخطوطے میں نہ کاتب نے ترقیمے میں اس کا ذکر کیا نہ کوئی اور شہادت ہے کہ زیر نظر انتخاب کس کی کوشش ہے یا یہ غالب ہی کا کیا ہوا ہے، جب کہ غالب کا مقصودِ نظر انتخاب تو اکمل المطابع دلی نے ۱۸۶۸ء کے آس پاس چھاپا تھا۱۰، جسے اولین انتخابِ میر کہا گیا ہے۔ بعد میں میر کے متعدد انتخابات منظر عام پر آئے، جن میں مولوی عبدالحق، سید حسین بلگرامی، حسرت موہانی، اثر لکھنوی، سید سردار جعفری، ڈاکٹر محمد حسن، ناصر کاظمی، محمد حسن عسکری، محمد طفیل (در رسالہ 'نقوش' لاہور) ڈاکٹر حامدی کشمیری، شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد اور دیگر اصحابِ ذوق کی کوششیں اور ان کے محرکات کلامِ میر کی مقبولیت کی ایک مثال ہیں۔

زیر نظر انتخاب مخطوطے کے کل ۵۶ اوراق اور ۱۴۷ غزلوں پر مشتمل ہے جب کہ ان ہی غزلوں میں ایک دو غزلیں بہت مختصر ہیں اور ان کے دو یا تین شعر ہی نقل کیے گئے ہیں جب کہ غزل نمبر ۴۵ کا صرف مطلع ہی درج کیا گیا ہے۔ غزلوں کی ترتیب ردیف وار ہے۔ زیر نظر سارے متن میں چار غزلیں نمبر شمار: ۶۷، ۸۲، ۱۱۸، ۱۲۶ غیر مطبوعہ ہیں جب کہ چند شعر بھی، جن کے حوالے وہیں نشان زد کر دیے گئے ہیں، غیر مطبوعہ ہیں یا یہ غیر مطبوعہ غزلیں اور اشعار آسی اور فائق کے مرتبہ متون میں شامل نہیں ہیں، جنھیں میں نے اس مقصد کے لیے ترجیحاً پیش نظر رکھا ہے۔

سابقہ مطبوعہ متون میں اور زیر نظر متن میں، یہ واقعہ ہے کہ کہیں کہیں اختلاف نسخ موجود

ہے لیکن چوں کہ ایسے لفظی اختلافات سے جہاں کوئی معنوی فرق اور فنی تخصیص نمایاں نہیں اس لیے ایسے اختلافِ نسخ کی یہاں نشان دہی کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔تقابلِ متون کے لیے متون، مرتبہ: عبدالباری آسی ''کلیات میر، ترتیبِ جدید مع مقدمہ و فرہنگ''، بہ اہتمام کیسری داس سیٹھ سپرنٹنڈنٹ، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۴۱ء؛ اور ''کلیات میر تقی میر''، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء-۲۰۰۶ء پیشِ نظر رکھے گئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مرتبہ: مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۲۸ء

۲۔ ''فیضِ میر'' مرتبہ: مسعود حسن رضوی ادیب، نسیم بک ڈپو لکھنؤ، سن ندارد۔

۳۔ مرتبہ: حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، نظامی پریس، بدایون، ۱۹۲۲ء

۴۔ الوئس اشپرنگر، A Catalogue of Arabic, Persian and Hindustani Manuscripts of the Libraries of The Kings of Oudh کلکتہ، ۱۸۵۴ء، ص ۱۷۴

۵۔ بحوالہ: A Cataologue of Persian Manuscripts in the Library of International Institute of Islamic Civilization and Thought، مرتبہ حاجی علی بن حاجی محمد، مطبوعہ انٹرنیشنل انسٹی

ٹیوٹ اوف اسلامک سویلائزیشن اینڈ تھوٹ لائبریری، ۱۹۹۴ء، ص ۸۱

۶۔ مشمولہ: معین الدین عقیل، ''مسلم ہندوستان: ادب، تاریخ اور تہذیب''، شائع کردہ سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۵-۱۴۶؛ یہ مقالہ اولاً مجلّہ ''معیار''، شمارہ ۲، ۲۰۰۹ء، ص ص ۱۸۹-۲۱۲؛ کلیہ زبان و ادب، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد اور پھر: مجلّہ ''اردو ادب''، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، جنوری تا مارچ، ۲۰۲۰ء، ص ص ۴۰-۶۱؛ ان اشاعتوں سے قطع نظر یہ سب مقالات، تصنیف محولہ بالا: ''مسلم ہندوستان: ادب، تاریخ اور تہذیب'' میں بھی شامل ہیں۔ص ص ۱۲۵-۱۶۲، ۲۲۱-۲۳۲

۷۔ راقم کے یہ مقالات:

۱) ''میر تقی میر: ایک گم شدہ بیاض کی دریافت''؛

۲) ''شاہ عبدالعزیز دہلوی کا ذوق ادب''؛

۳) ''ملیشیا میں غالب کے نوادر اور ایک غیر مطبوعہ ہفت بند: در شانِ مشکل کشا''

راقم کے مجموعۂ مقالات: ''مسلم ہندوستان: ادب، تاریخ اور تہذیب''، مطبوعہ سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء میں بھی شامل ہیں۔

۸۔ *Catalogue of Urdu Manuscripts in the Library of the International Institute of Islamic Thought and Civilization*، مرتبہ: حاجی علی بن حاجی احمد، شائع کردہ: انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ اوف اسلامک سویلائزیشن اینڈ تھوٹ لائبریری، ۱۹۹۴ء، ص ۸۱ لائبریری، ۱۹۹۴

۹۔ مالک رام، ''گفتارِ غالب''، مکتبۂ جامعہ، دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۷

۱۰۔ میر سے غالب کی اثر پذیری کا ایک اچھا جائزہ: مالک رام، ''گفتارِ غالب'' اور کلیم احسان بٹ ''غالب معتقدِ میر''، مشمولہ: ''مقالاتِ کلیم''، شائع کردہ: کتاب ورثہ، لاہور، ۲۰۱۷ء میں ہے۔

میر تقی میر کا دیوانِ ہفتم

منتخب کتاب بحر کبیر میر تقی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نی کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نی آخر کام تمام کیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھی جاگی صبح ہوئی آرام کیا

حرف نہیں جاں بخشی میں اوسکی خوبی اپنی قسمت کی
ہم سی جو پہلی کہہ بھیجا سو مرنیکا پیغام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتی ہیں سو آپ کریں ہیں ہمکو عبث بدنام کیا

سارے رند اوباش جہاں کی تجھ سی سجود میں رہتی ہیں
بانکی ٹیڑھی ترچھی تیکھی سبکا تجھکو امام کیا

سرزد ہم سی بی ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اوسکی اور گئی پر سجدہ ہر ہر گام کیا

کسکا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہی کیا احرام
کوچی کی اوسکی باشندوں نی سبکو یہیں سی سلام کیا

شیخ جو ہی مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانی میں
خرقہ جبہ کرتا ٹوپی مستی میں انعام کیا

کاش اب برقع منہ سی اوٹھا دی ورنہ پھر کیا حاصل ہی
انکھ مندی پر ان نی گو دیدار کو عام کیا

یہاں کی سفید و سیہ میں ہمکو دخل جو ہی سو اتنا ہی
راتکو رو رو صبح کیا یا دنکو جوں توں شام کیا

صبح چمن میں اوسکو کہیں تکلیف ہوا لی آئی تھی
رخ سی گلکو مول لیا قامت سی سرو غلام کیا

ساعد سیمیں ہاتھ میں لاکی دونوں اوسکی چھوڑ دیئی
بھولی اوسکی قول و قسم پر ہائی خیال خام کیا

کام ہوی ہیں ضائع سارے ہر ساعت کی سماجت سی
استغنا کی چوگنی اون نی جوں جوں میں ابرام کیا

ایسی آہوی رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نی تجھکو رام کیا

انکھون کی خونبابہ فشانی نے تجھ بن بہر کہا شک ہے

زرد رخساری پہ عصا دون بر ہم موت بیا چاہیے

تمت تمام شد دیوان ہفتم میر تقی مغفور التخلص بمیر

ساکن جہان آباد بخط حقیر فقیر کلب علیخان بعرف نواب

تحریر فی التاریخ بست و نہم شہر رمضان المبارک

ہر کہ خواند دعا طمع دارم   زانکہ من بندہ گنہگارم

ما را بہ رسن مکش قہر و عتاب   گر خطا رفتہ باشد در کتاب

اغلاط رفتہ را تصحیح کن   از کرم واللہ عالم بالصواب

میر تقی میر کا غیر مطبوعہ دیوانِ ہفتم

منتخب کتاب بحر کید

(۱)

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی ہے اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا
ناحق کو تہمت ہے ہم مجبوروں پر مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا
سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا
کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا مے خانے میں

خرقہ جبہ کرتا ٹوپی مستی میں انعام کیا
کاش اب برقہ منہ سے اٹھا دے ورنہ پھر کیا حاصل ہے
آنکھ مندے پر اپنی ان نے گو دیدار کو عام کیا
یہاں کے سفید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا
صبح چمن میں اس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی
رخ سے گل کو مول لیا قامت سے سرو غلام کیا
ساعد سیمیں ہاتھ میں لا کر دونوں اس کے چھوڑ دیے
بھولے اس کے قول وقسم پر ہائے خیال خام کیا
کام ہوئے ہیں ضایع سارے ہر ساعت کی سماجت سے
استغنا کی چوگنی ان نے جوں جوں میں ابرام کیا
ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونا مشکل ہے
سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نے اس کو رام کیا
میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو ان نے اب تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

(۲)

دل سمجھا نہ محبت کو کچھ ان نے کیا یہ خیال کیا
خون ہوا سب بہ ہی گیا عشق نے حسن و جمال کیا
آنکھیں کفک سے اس کی لگا کر خاک برابر ہم تھے ہوئے
مہندی کے رنگے ان نے پاؤں بہتوں کو پامال کیا
یوں نکلے ہے فلک ایدھر سے نازکناں جو جاتے تو
خاک سے سبزہ میری اگا کر ان نے مجھ کو نہال کیا
آگے جواب سے ان لوگوں کے بار معافی اپنی ہوئی
ہم بھی فقیر ہوئے تھے لیکن ہم نے ترک سوال کیا

حال نہیں ہے عشق سے مجھ میں کس سے میرؔ اب حال کہوں
ابھی چاہ کر اس ظالم کو میں نے اپنا یہ حال کیا

(۳)

عشق تو بن رسوائی عالم باعث ہے رسوائی کا
میل دلی اس خودسر سے ہے جو مائل ہے خدائی کا
ہے جو سیاہی جرم قمر میں اس کے سوا کچھ اور نہیں
داغ ہے مہ کا آئینہ اس سطح رخ کی صفائی کا
نزع میں میرے حاضر تھا پر آنکھ نہ ایدھر اس کی پڑی
داغ چلا ہوں اس میں جہاں سے یار کی بے پروائی کا
کوشش میں سر مارا لیکن یار کے در پر جا نہ سکا
تن پہ زبان شکر ہے ہر مو اپنی شکستہ پائی کا
رنگ سراپا اس کا ہوا لے آگے دل خوں کرتی رہی
اب جگر یک لخت افسردہ اس کے دست حنائی کا
آنا سن ناداری سے ہم نے جی دینا ٹھہرایا ہے
کیا کہیے اندیشہ بڑا تھا اس کی منھ دکھلائی کا
کوفت میں ہے ہر عضو اس کا جوں عضو از جا رفتہ میرؔ
جو کشتہ ہے ظلم رسیدہ اس کے درد جدائی کا

(۴)

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا
صورت گر کی پریشانی نے طول نہایت کھینچا ہے
ہم نے کیوں بستار کیا تھا اس کے لمبے بالوں کا
بہت کیا تو پتھر میں سوراخ کیے ہیں درفشوں نے

چھید جگر میں کر دینا یہ کام ہے محزوں نالوں کا
سرو لب جو لالہ و گل نسرین و سمن ہے شگوفہ ہے
دیکھو جدھر اک باغ لگا ہے اپنے رنگین خیالوں کا
----   پت جھڑ ہے کیا   -------
پاؤں کا ---یہی ہے دیکھنا اس کے تازہ نہالوں کا [1]
غنچہ ہو اہے خار بیاباں بعد زیارت کرنے کے
پانی تبرک کرتے ہیں سب پاؤں کے میرے چھالوں کا
پہلے تدارک کچھ ہوتا تو نفع بھی ہوتا سو تو میر
کام ہے آخر عشق میں اس کے بیماروں بدحالوں کا

----

[1] یہ شعر آسی اور فائق میں شامل نہیں اور مخطوطے میں ٹھیک سے پڑھا نہیں جا رہا ہے۔

(۵)

کیا پوچھو ہو کیا کہیے میاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا ناکام رہا آخر کو کام تمام کیا
عجز کیا سو اس مغتر نے قدر ہماری یہ کچھ کی
تیوری چڑھائی غصہ ہوا جب جھک کے ہم نے سلام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بیتابی سے خط بھی لکھا پیغام کیا
عشق کی تہمت جب نہ ہوئی تھی کاہے کو اپنی شہرت تھی
شہر میں اب رسوا ہیں یعنی بدنامی سے نام کیا
ریگستان میں جاکے رہیں یا سنگستان میں ہم جوگی
رات ہوئی جس جاگہ ہم کو ہم نے وہیں بسرام کیا
خط و کتابت لکھنا اس کو ترک کیا تھا اس ہی لیے
حرف و سخن سے ٹپکا لوہو اب جو کچھ ارقام کیا

تلخ اس کا تو شہد و شکر ہے ذوق میں ہم ناکاموں کے
لوگوں میں لیکن پوچ کہا یہ لطف بے ہنگام کیا
جیسے کوئی جہاں سے جاوے رخصت اس حسرت سے ہوئے
اس کونچہ سے نکل کر ہم نے رو بقضا ہر گام کیا
کیا ----کے لونڈی نے بھی مفت ----
جی ہارا یہاں جیسے اس پر قاضی کا اعلام کیا ؎
میر جو ان نے منھ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا احسان کیا انعام کیا اکرام کیا

؎ یہ شعر آسی اور فائق میں موجود نہیں۔

(۶)

عشق کیا سو دین گیا ایمان گیا اسلام گیا
دل نے ایسا کام کیا کچھ جس سے میں ناکام گیا
کس کس اپنی کل کو رووے ہجراں میں بے کل اس کا
خواب گئے ہے تاب گئی ہے چین گیا آرام گیا
آیا یہاں سے جانا ہے تو جی کا چھپانا کیا حاصل
آج گیا یا کل جاوے گا صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی کیسا کیسا شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا
نالہ میر سواد میں ہم تک دوشیں شب سے نہیں آتا
شاید شہر سے اس ظالم کے وہ عاشق بدنام گیا

(۷)

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی ادھر سے آوے گا
یا کہ نوشتہ ان ہاتھوں کا قاصد ہم تک لاوے گا

ہم نہیں لکھتے اس لیے اس کو شوخ بہت ہے وہ لڑکا
خط کا کاغذ بادی کرے گا باؤ کا رخ بتلاوے گا
رنج بہت کھینچے تھے ہم نے طاقت جی کی تمام ہوئی
اپنے کیے پر یاد رہے یہ وہ بھی بہت پچھتاوے گا
اندھے سے ہم چاہ میں اس کی گوائے ناصح پھرتے ہیں
سوجھتا ہے کچھ کر ہی رہیں گے کیا ہم کو سجھاوے گا
عاشق ہووے وہ بھی یارب تا کچھ اس سے کہا جاوے
یعنی حال سنے گا دل سے دل جوکسی سے لگاوے گا
عاشق کی بھی دل جوئی کی رسم و راہ سے واقف رہ
ہو جو ایسا گم شدہ اپنا اس کو نہ تو پھر پاوے گا
آنکھیں مونڈے دلبر نے جو سوتے رہیں تو بہتر ہے
چشمک کرنا ایک انھوں کا سو سو فتنے جگاوے گا
کیا صورت ہے کیا قامت ہے دست و پا کیا نازک ہیں
ایسے پتلے منھ دیکھو جو کوئی کہار بناوے گا
چتون بے ڈھب آنکھیں پھریں پلکوں سے نظر چھوٹی
عشق ابھی کیا جانے ہم کو کیا کیا میرؔ دکھاوے گا

(۸)

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تابت خانہ ہر قدم اوپر سجدے کرتا جاؤں گا
بہر پرستش پیش صنم ہاتھوں سے قسیس رہباں کے
رشتہ سبحہ تڑاؤں گا زنار گلے سے بندھاؤں گا
رود ودیر کے پانی سے یا آب چاہ سے اس جا کے
واسطے طاعت کفر کے میں دونوں وقت نہاؤں گا
قشقہ ---- -- کہنیوں تک جیسے برہمن کوئی بنا

ہاتھ لیے شمن جوروں کے پوتھی بغل سے دکھاؤں گا [۳]
طائف رستہ کعبے کا جو کوئی مجھ سے پوچھے گا
جانب دیر اشارت کر میں راہ ادھر کی بھلاؤں گا
بے دین اب جو ہوا سو ہوا ہوں طوف حرم سے مجھ کو کیا
غیر از سوئے صنم خانہ میں رو نہ ادھر کو لاؤں گا [۴]
آ کے مسافر میرؔ عرب میں اور عجم میں کہتے ہیں ؟
اب شہروں میں ہندوستاں کے کافر میرؔ کہاؤں گا

---

[۳] یہ شعر آسی اور رفائق میں شامل نہیں۔
[۴] یہ شعر مخطوطے میں موجود نہیں ہے۔

(۹)

کیسی سعی حوادث نے کی آخر کار ہلاک کیا
کیا کیا چرخ نے چکر مارا پیس کر مجھ کو خاک کیا
ایسا پلید آلودۂ دنیا خلق نہ آگے ہوا ہو گا
شیخ شہر موا کہتے ہیں شہر خدا نے پاک کیا
قدرت حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولی کرے
اس کو کیا پرکالہ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا
آہ سے تھے رستے چھاتی میں بہلنا اس کا سہل نہ تھا
دو دو ہاتھ تڑپ کر دل نے سینہ عاشق چاک کیا
خوگر ہونا حزن و بکا سے میر ہمارا یوں ہی نہیں
برسوں روتے کڑھتے رہے تب ہم دل کو غمناک کیا

(۱۰)

عشق صمد میں جان گئی وہ چاہت کا ارمان گیا
تازہ کیا پیمان صنم سے دین گیا ایمان گیا

میں جو گدایانہ چلایا در پر اس کے نصف شب
گوش زد آگے تھے نالے سو شور مرا پہچان گیا
آگے عالم عین تھا اس کا اب عین عالم ہے وہ
اس وحدت سے یہ کثرت ہے یہاں میرا سب گیان گیا
مطلب کا سررشتہ گم ہے کوشش کوئی کرتا نہیں
جو طالب اس راہ سے آیا خاک یہاں کی چھان گیا
خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہوجاوے تو سر سے کیا احسان گیا
ترک بچوں سے عشق کیا تھا ریختے کیا کیا میں نے کہے
رفتہ رفتہ ہندستاں سے شعرِ مرا ایران گیا
کیوں کہ جہت دل کو ہووے میر مقام حیرت ہے
چاروں اور نہیں ہے کوئی یہاں وہاں یوں ہی دھیان گیا

(۱۱)

دل تڑپے ہے جان کھپے ہے حال جگر کا کیا ہو گا
مجنوں مجنوں لوگ کہیں ہیں مجنوں کیا ہم سا ہو گا
دیدۂ تر کو سمجھ کر اپنا کیا کیا ہم نے حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے آخر کو دریا ہوگا
کیا جانیں آسودہ دلاں کچھ ہم کو اس سے بحث نہیں
وہ جانے گا حال ہمارا جس کا دل سچا ہو گا
پاؤں حنائی اس کے لے آنکھوں پر اپنی ہم نے رکھے
یہ دیکھا نہ رنگ کفک پر ہنگامہ برپا ہو گا
جاگہ سے لے تہ جاتے دعوے وہ بھی کرتے ہیں
ان کو غرور و ناز نہ ہو گا جن کو کچھ آتا ہو گا
روبہ بھی اب لاہی چکے ہیں ہم سے قطع امید کرو

روگ لگا ہے عشق کا جس کو وہ اب کیا اچھا ہو گا
دل کی لاکھ کہیں جو ہو تو میر چھپائے اس کو رکھ
یعنی عشق ہوا ظاہر لوگوں میں رسوا ہو گا

(۱۲)

عشق بلا پرشور و شر نے جب میدان میں خم مارا
پاک ہوئی کشتی عالم کی آگے کن نے دم مارا
بود نبود کی اپنی حقیقت لکھنے کے شائستہ نہ تھی
باطن صفحہ ہستی پر میں خط کھینچا ہے قلم مارا
غیر کے میرے مرجانے میں تفاوت ارض و سما کا ہے
مارا ان نے دونوں کو لیکن مجھ کو کر کے ستم مارا
ان بالوں سے طلسم جہاں کا وابستہ تھا گویا سب
زلفوں کو درہم اس نے کیا سو عالم کو برہم مارا
دور اس قبلہ رو سے مجھ کو رقیب نے مار رکھا
قہر کیا اس کتے نے کیا دوڑ کے صید حرم مارا
کاٹ کے سر عاجز کا ان نے اور بھی پگڑی پھیر رکھی
فخر کی جاگہ کون سی تھی یہاں کون ایسا رستم مارا
جس مضمار میں رستم کی بھی میر نہ نکلی راہ کبھو
اس میدان کی خاک پہ ہم نے جرات کر کے قدم مارا

(۱۳)

پھرتے پھرتے اس کے لیے میں آخر دشت نورد ہوا
دیکھ وہ آنکھیں سرمہ آگیں پھر دنبالہ گرد ہوا
جیتے جی میت کے رنگوں لوگ مجھے سب پاتے ہیں
جوش بہار عشق میں یعنی سرتاسر میں زرد ہوا

گرم مزاج رہا نہیں اپنا ویسے اس کے ہجراں میں
ہوتے ہوتے افسردہ دیکھوگے اک دن سرد ہوا
میر نہ درد دل کو اپنے مجھ سے کہا کر روز وشب
صبح جو گوش دل سے سنا تھا دل میں میرے درد ہوا

(۱۴)

عشق کیے پچھتائے ہم تو دل نہ کسی سے لگانا تھا
جیدھر ہو وہ مہ نکلا اس راہ نہ ہم کو جانا تھا
غیریت کی اس کی شکایت یار عبث اب کرتے ہیں
طور اس شوخ ستم پیشہ کا طفلی سے بیگانہ تھا
بزم عیش کی شب کا یہاں دن ہوتے ہی یہ رنگ ہوا
شمع کی جاگہ دود تنک تھا خاکستر پروانہ تھا
دخل مروت عشق میں تھا تو دروازے سے تھوڑی دور
ہمرہ نعش عاشق کی اس ظالم کو بھی آنا تھا
طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے ہنسنے لگا یہ میر عجب دیوانا تھا

(۱۵)

ایک نہ خواہش بر آئی تا دل کا غبار نکل جاتا
کاش کے آہو چشم اپنا آنکھوں کو پاؤں سے مل جاتا
آتشِ دل کی لپٹوں کا ہے یار و کچھ عالم ہی جدا
لائے جو کوئی کھینچتا سر تو سارا عالم جل جاتا
نعرہ کرتا عاشق کا ہے ساتھ ایک ہیبت کی یعنی
سن آواز اس شیر نر کی سیل بلا بھی دہل جاتا
اہل زمین تو کیا ہیں ان کا سہل تھا راہ سے لے جانا

چرخ پہ ہوتا گروہ چلا خیل ملک کو چھل جانا
کشتی زیر دستوں کے اس سے پاک ہوئی تو کیا ہے عجب
رستم سامنے ہوجاتا تو راہ بچا کر ٹل جاتا
غم سے ہوکر زرد سراسر صورت سارے خزاں کی ہے
آن نکلتے سوئے چمن تو رنگ ہوا کا بدل جاتا
ڈھلتے ڈھلتے ضعف سے آئے میر سو ان نے منہ پھیرا
یاقوتی سے بوسۂ لب کے جی شاید کہ سنبھل جاتا

(۱۶)

کیا کیا عشق میں رنج اٹھائے دل اپنا سب خون ہوا
کیسے رکتے تھے خفگی سے آخرکار جنون ہوا
تڑپا ہے پہلو میں اب جب طاقت دل میں کچھ نہ رہی
جسم غم فرسودہ ہمارا زرد و زار و زبون ہوا
جنگل میں میں رونے چلا تھا دل جو بھرا تھا میر بہت
آیا سیل آگے سے چلا گیا بخت سے مجھ کو شگون ہوا

(۱۷)

کچھ اندیشہ ہم کو نہیں ہے اپنے حال درہم کا
آٹھ پہر رہتا ہے رونا اس کی دوری کے غم کا
روتے کڑھتے خاک میں ملتے جیتے رہے ہم دنیا میں
دس دن اپنی عمر کے گویا عشرہ تھا یہ محرم کا
کشتی ہماری عشق میں کیا تھی ہاتھ ملاتے پاک ہوئی
پائے ثبات نہ ٹھہرا دم بھر اس میدان میں رستم کا
عالم نیستی کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
ہوش آیا ہے سر میں جب سے شوق رہا اس عالم کا

یہاں لازم ہے ہم کو تم کو دم لیویں تو شرمندہ لیں
دینا ہو گا حساب کسی کو یک دم ہی میں دم دم کا
چھاتی کوٹی منہ نوچا سر دے دے مارا پھر پھر کر
دل کے خوں ہونے میں ہمارا یہی طریق ہے ماتم کا
لڑکے شوخ بہت ہیں لیکن ویسا میر نہیں کوئی
دھوم قیامت کی سی ہے ہنگامہ اس کے اودھم کا

(۱۸)

زار رکھا بے حال رکھا بے تاب رکھا بیمار رکھا
حال رکھا تھا کچھ بھی ہم میں عشق نے آخر مار رکھا
میلان اس کا کاہے کو ہے جانب الفت کیشوں کے
اپنی طرف سے ہم نے اب تک اس ظالم سے پیار رکھا
عشق بھی ہم میں ہائے تصرف کیسے کیسے کرتا ہے
دل کو چاک جگر کو زخمی آنکھوں کو خوں بار رکھا
کام اس سے ایک طور پہ لیتے بے طور اس کو ہونے نہ دیتے
حیف ہے میر سپہر دوں نے ہم سے اس کو نہ یار رکھا

(۱۹)

میں جو نظر سے اس کی گیا تو وہ سرگرم کار اپنا
کہنے لگا چپکا سا ہوکر ہائے دریغ شکار اپنا
کیا یاری کر دور پھرا وہ کیا کیا ان نے فریب کیے
غم غصے سے دیکھیو ہوں گا آپ ہی گلے کا ہار اپنا
ہاتھ گلے میں اس نے نہ ڈالے میں یہ گلا اب کاٹوں گا
جس کے لیے آوارہ ہوئے ہم چھوٹا شہر و دیار اپنا
چھاتی پہ سانپ سا پھر جاتا ہے یاد میں اس کے بالوں کی

جی تو لہر آوے ہے لیکن رہتا ہوں من مار اپنا
بات کہی تلوار نکالی آنکھ لڑائی جی مارے
کیوں کہ جتاوے اس سے کوئی ربط و محبت پیار اپنا
ہم نے یاری وفاداری میں کوتاہی تقصیر نہ کی
کیا روویں چاہت کے اثر کو ٹک نہ ہوا وہ یار اپنا
رحم کیا کر لطف کیا کر پوچھ لیا کر آخر ہے
میر اپنا غم خوار اپنا پھر زار اپنا بیمار اپنا

(۲۰)

ترک لباس سے میرے کیا وہ رفتہ ہے رعنائی کا
جامے کا دامن پاؤں میں الجھا ہاتھ آنچل اکلائی کا
پاس سے اٹھ چلتا ہے وہ تو آپ میں میں بھی رہتا نہیں
لے جاتا ہے جا سے مجھ کو جایا اس ہرجائی کا
حال نہ میرا دیکھے ہے نہ کہے سے تامل ہے اس کو
محو ہے خود آرائی کا یا بے خود ہے خودرائی کا
ظاہر میں خورشید ہوا وہ نور میں اپنے پنہاں ہے
خالی نہیں ہے حسن سے چھپنا ایسے بھی سودائی کا
یاد میں اس کی قامت رو کی رو رو کر میں سوکھ گیا
آخر یہ خمیازہ کھینچا اس خرچ بالائی کا
بعد از مرگ چراغ نہ لاوے گور پہ گو وہ عاشق کی
جیتے جی بھی داغ ہی تھا میں اس کی بے پروائی کا
چشم وفا اخوان جہاں سے سادہ ہو سو رکھے میر
قصہ ہے مشہور زمانہ پہلے دونوں بھائی کا

(۲۱)

خوب کیا جو اہل کرم کی جود کا کچھ نہ خیال کیا
ہم جو فقیر ہوئے تو پہلے ہم نے ترک سوال کیا
روند کے مارا جور سے ہم کو پاؤں حنائی اپنے کیے
خون ہمارا بسمل گہ میں کن رنگوں پامال کیا
نکلے ہے گر گھاس جلی بھی خاک پہ الفت کشتوں کی
یہ بالیدہ سپہر پھرا ہے گویا ان نے نہال کیا
دل جو ہمارا خون ہوا تھا رنج و الم میں گذری ہمیں
یعنی ماتم اس رفتہ کا ہم نے ماہ و سال کیا
میر سدا بے حال رہو ہو مہر وفا سب کرتے ہیں
تم نے عشق کیا سو صاحب کیا اپنا یہ حال کیا

(۲۲)

خون نہ ہوا دل چاہیے جیسا گو اب کام سے جاوے گا
کام اپنے وہ کیا آیا جو کام ہمارے آوے گا
آنکھیں کھلی رہتی ہیں اکثر چاک قفس سے اسیروں کی
جھونکا باد بہاری کا گل برگ کوئی یہاں لاوے گا
فتنے کتنے جمع ہوئے ہیں زلف و خال و خد و قد
کوئی نہ کوئی عہد میں میرے سر اپنا بھی اٹھاوے گا
ایک نگہ کی امید ہے ہم کو اس کی شوخ نگہ سے نہیں
ایدھر اودھر دیکھے گا پر ہم سے آنکھ چھپاوے گا
اب تو جوانی کا یہ نشہ ہی بے خود تجھ کو رکھے گا
ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا
دیر سے اس اندیشے نے ناکام رکھا ہے میر ہمیں
پاؤں چھوئیں گے اس کے ہم تو وہ بھی ہاتھ لگاوے گا

(۲۳)

دل کو کہیں لگنے دو میرے کیا کیا رنگ دکھاؤں گا
چہرے سے خون ناب ملوں گا پھولوں سے گل کھاؤں گا
عہد کیے جاؤں ہوں آخر اب کے مجھ کو غیرت ہے
تو بھی منانے آوے گا تو ساتھ نہ تیرے آؤں گا
گرچہ نصیحت سب ضائع ہے لیکن خاطر ناصح کی
دل دیوانہ کیا سمجھے گا اور ہی میں سمجھاؤں گا
جھک کے سلام کسو کو کرنا سجدہ ہی ہوجاتا ہے
سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرد میں لاؤں گا
سر ہی سے سر واہ یہ سب ہے ہجر کی اس کی کلفت میں
سر کو کاٹ کے ہاتھ پہ رکھ کر ملنے میں خود جاؤں گا
خاک ملا منہ خون آنکھوں میں چاک گریباں تا دامن
صورت حال اب اپنی اس کے خاطرخواہ بناؤں گا
دل کے تئیں اس راہ میں کھو افسوس کناں اب پھرتا ہوں
یعنی رفیق شفیق پھر ایسے میرؔ کہاں میں پاؤں گا

(۲۴)

زار کیا بیمار کیا اس دل نے کیا آزار کیا
داغ سے تن گلزار کیا اور آنکھوں کو خوں بار کیا
جرم ہے ہم الفت کشتوں کا لگ پڑنے سے بھی شوخ ہوا
اب کہتے ہیں دل میں اپنے ہم نے کیوں اسے پیار کیا
چاہا ہم نے کیا کیا تھا پر اپنا چاہا کچھ نہ ہوا
عزت کھوئی ذلت دیکھی عشق نے خوار و زار کیا
پیش گئی کب پیش زمانہ طبع خوش ہر ناکس کی

اک گردش میں سپہر نے جیسے سطح زمیں ہموار کیا
سادگی میری نے آہ نہ جانا جی ہی اس میں جاتا ہے
عشق کا اس پرکار کے میں نے لوگوں میں اقرار کیا

(۲۵)

چاہت کا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا
اس پردے کے اٹھ جانے سے اس کو ہم سے حجاب ہوا
ساری ساری راتیں جاگے عجز و نیاز و زاری کی
تب جاکر پانے کا اس کے صبح کے ہوتے جواب ہوا
کیا کہیے مہتاب میں شب کی وہ بھی ٹک آبیٹھا تھا
تاب رخ اس مہ نے دیکھی سو درجے بیتاب ہوا
شمع جو آگے شام کو آئی رشک سے جل کر خاک ہوئی
صبح گل تر سامنے آکر شرم سے اس کے آب ہوا
مرتے نہ تھے ہم عشق کے رفتہ بے کفنی سے یعنی میرؔ
دیر میسر اس عالم میں مرنے کا اسباب ہوا

(۲۶)

تاب عشق نہیں ہے دل میں جی بھی بے طاقت ہے اب
یعنی سفر ہے دور کا درپیش اور اپنی رخصت ہے اب
وصل میں کیا کیا صحبتیں گزریں عیش میں کیا کیا دن گذرے
تنہا یکسو بیٹھ رہے ہیں ہجر میں یہ صحبت ہے اب
جب سے صبح بنائے ہستی دو دم پر یہاں ٹھہرائی
کیا کیا کریں اس مہلت میں کچھ بھی ہمیں فرصت ہے اب
چور اچکے سکھ مرہٹے شاہ و گدا زرخواہاں ہیں
چین سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے عشق بھی اک دولت ہے اب

پاؤں پہ سر رکھنے کی رخصت دی تھی مجھ کو میر ان نے
کیا پوچھو ہو سر پر میرے منت سی منت ہے اب

(۲۷)

کب سے صحبت بگڑ رہی ہے کیوں کر کوئی بناوے اب
ناز و نیاز کا جھگڑا کس کے کنے لے جاوے اب
سوچتے آتے ہیں جس نین گل پگڑی پر رکھیے سر
کس کو دماغ رہا ہے اس کے نخشن جو الٹاوے اب
تیغ بلند ہوئی ہے اس کی قسمت ہوں گے زخم رسا
مرد اگر ہے صیدحرم تو کوئی جراحت کھاوے اب
داغ سر و سینے کے میرے حسرت آگیں چشم ہوئے
دیکھیں کیا کیا عشق ستم کش ہم لوگوں دکھاوے اب
دم دو دم گھبراہٹ ہوتو ہوسکتا ہے تدارک بھی
جی کی چال سے پیدا ہے سو کوئی گھڑی میں جاوے اب
دل کے داغ بھی گل ہیں لیکن دل کی تسلی ہوتی نہیں
کاشکے دو گلبرگ ادھر سے باد اڑا کر لاوے اب
اس کے کفک کی پامالی میں دل جو گیا تھا شاید میر
یار ادھر ہو مائل ٹک تو وہ رفتہ پھر آوے اب

(۲۸)

کاوش سے ان پلکوں کی رہتی ہے خلش سی جگر میں اب
سیدھی نظر جو اس کی نہیں ہے یاس ہے اپنی نظر میں اب
موسم گل کا شاید آیا داغ جگر کے سیاہ ہوئے
دل کھنچتا ہے جانب صحرا جی نہیں لگتا گھر میں اب
نقش نہیں پانی میں ابھرتا یہ بھی کوئی اچنبھا ہے

صورت خوب اس کی پھرتی اکثر چشم تر میں اب
ایک جگہ پر جیسے بھنور ہیں لیکن چکر رہتا ہے
یعنی وطن دریا ہے اس میں چار طرف ہے بھنور میں اب
حسرت میں ملنے کے آیا میرؔ تمہارا خون کیا
تیغ و سپر اس ترک بچے ظالم کی نہیں ہے کمر میں اب

(۲۹)

سادے جتنے نظر آتے ہیں دیکھو تو عیار ہیں سب
زرد و زبوں و زار جو ہم ہیں چاہت کے بیمار ہیں سب
-- سے ہلکے عاشق ہوں تو جوش و خروش بھریں آویں
تہ پائی نہیں جاتی ان کی دریا سے تہ دار ہیں سب
طرفہ پریشاں ایک جماعت دیکھی چاہنے والوں کی
جینے کے خواہاں نہیں ہیں ہم تو مرنے کو تیار ہیں سب
کیا کیا خواہش بےکس بےبس مشتاق اس سے رکھتے ہیں
لیکن دیکھ کے رہ جاتے ہیں چپکے سے ناچار ہیں سب
عشق جنھوں کا پیشہ ہے وہ سیکڑوں ہوں تو ایک ہی ہیں
کوہکن و مجنوں و وامق میر ہمارے یار ہیں سب

(۳۰)

دل کے گئے بیکس کہلائے ایسا کہاں ہمدم ہے اب
کون ایسے محروم و حزیں کا ہم راز و محرم ہے اب
سینہ زنی سے غم زدگی ہے سر دھننا ہے رونا ہے
دل جو ہمارا خون ہوا تھا ایسی بلا ماتم ہے اب
سن کر حال کسو کے دل کا کاہے رونا آتا ہے
یعنی کبھو کڑھتا تھا میں سو وہ رونا ہر دم ہے اب

زردی چہرہ تن کی نزاری بیماری پھر چاہت کے
دل میں غم ہے مژگاں نم ہے حال بہت درہم ہے اب
دیکھیں دن کٹتے ہیں کیونکر راتیں کیونکے گذرتی ہیں
بیتابی ہے زیادہ زیادہ صبر بہت کم کم ہے اب
آہ نہ پوچھو عشق ہمارا کیا کیا رنگ بدلتا ہے
خون ہوا دل داغ ہوا پھر درد ہوا پھر غم ہے اب
ملنے والو ملنے کا وعدہ ہے وہ عالم دیگر میں
میرؔ فقیر کو سکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب

(۳۱)

زرد ہے چہرہ سوکھ گئے ہیں یعنی ہیں بیمار بہت
عشق کی گرمی دل کو پہنچی کھینچا ہے آزار بہت
نالہ و زاریٔ عاشق سے کیا ابر بہاری طرف ہوگا
دل ہے نالاں حد سے زیادہ آنکھیں ہیں خونبار بہت
ارض و سما کی پستی بلندی اب تو ہم کو برابر ہے
یعنی نشیب و فراز جو دیکھے طبع ہوئی ہموار بہت
سو غیروں میں ہو عاشق تو ایک اسی سے شرماویں
اس مستی پر ان کی آنکھیں رہتی ہیں ہوشیار بہت
کم ہے ہمیں امید بھی تھی اتنی نزاری پر اس کی
پچھلے دنوں دیکھا تھا ہم نے عاشق تھے بیمار بہت
میرؔ نہ ایسا ہووے کہیں پردے ہی پر وہ مار مرے
ڈر لگتا ہے اس سے ہم کو ہے وہ ظاہر دار بہت

(۳۲)

چپکے کھڑا ٹکڑے ہوتا ہوں یہ ہی ہے الفت کی بات
تیغ اس کی نے کیا ہے قسمت یہ بھی ہے قسمت کی بات
جان مسافر ہو جائے گی لب پر ہے موقوف جو آہ
سب کچھ کہیو حال ہوے تم مت کہیو رخصت کی بات
کہہ کے فسانہ عشق وفا کا لوگ محبت کرتے تھے
اب وہ تازہ کہانی میری گویا ہے مدت کی بات
درد و غم کی گرفتاری سے مہلت ہو تو کچھ لکھیے
حرف زدن اشعار شعاری یہ سب ہے فرصت کی بات
کس کو دماغ جواب رہا ہے ضعف سے اب خاموش ہے
پہروں بکتا نصیحت کرنا میر یہ ہے طاقت کی بات

(۳۳)

دل نے کام کیا ہے ضائع دلبر ہے دل خواہ بہت
قدر بہت ہی کم ہے دل کی پر دل میں ہے چاہ بہت
رات کی بات سنی بھی ہے تو جانا حرف غریب اس کو
خوبی پر اپنی حسن پر اپنے پھرتا ہے گمراہ بہت
حیرانی ہے کیونکر ہووے نسبت اپنی اس سے درست
بندہ اپنا جانو مجھ کو تم کو غرور اللہ بہت
شوق سے خط طومار ہوا تھا ہاتھ میں لے کر کھولا
کہنے لگا کیا کوئی لکھے ہے اب تو نامہ سیاہ بہت
شاید روئے توجہ ایدھر کرنے کو وہ کہتا تھا
شاید یوں بھی ظاہر ہووے ہے تو سہی افواہ بہت
اب پیری ہے حضرت ہوکر ایک کنارے بیٹھے ہیں
جب تھی جوانی تب تو ہم بھی جاتے تھے درگاہ بہت

کیا گذری ہے جی پہ تمہارے ہم سے تو کچھ میرؔ کہو
آنے لگی ہے درد و الم سے لب پہ تمہاری آہ بہت

(۳۴)

باد صبا نے اہل چمن میں اس چہرے کی چلائی بات
اس لب و لہجے پر بلبل کو اس کے آگے نہ آئی بات
آگ ہوا کچھ آتے ہی میرے لال آنکھیں کر گھور رہا
کیا جانے کیا سرگوشی میں غیر نے اس سے لگائی بات
دور تلک قاصد کے پیچھے کچھ کہتا میں جاتا تھا
شوق ستم کش ظالم نے کیا رفتہ رفتہ بڑھائی بات
لعل کو نسبت ان ہونٹوں سے دینا سب کا تصنع تھا
کچھ بن آئی جب نہ کسو سے تب یہ ایک بنائی بات
غیر سے کچھ کچھ کہتا تھا جو سو سامنے سے میرؔ آیا میں
پھیر لیا منھ میری طرف سے یعنی مجھ سے چھپائی بات

(۳۵)

جب سے آنکھیں لگی ہیں ہماری نیند نہیں آتی ہے رات
تکتے راہ رہے ہیں ان کی آنکھوں میں جاتی ہے رات
سخت ہیں کیا ایام جدائی دشواری سے کٹتے ہیں
دن دیواروں سے سر ماروں ہوں پتھر ہے چھاتی ہے رات
جوں توں اس کے ہجر کے غم میں شام و سحر ہم کرتے ہیں
ورنہ کسے دن خوش آتا ہے کس کے تئیں بھاتی ہے رات
رات کے جس میں چین سے سوویں سو تو اس کی جدائی میں
شمع نمط جلتے رہتے ہیں اور ہمیں کھاتی ہے رات
روز و شب کی اپنی مصیبت نقل کریں کیا تم سے میرؔ
دن کو قیامت جی پہ رہے ہے سر پہ بلا لاتی ہے رات

(۳۶)

حال برا ہے تم کو ہم سے اتنی غفلت کیا ہے آج
کوئی گھڑی تو پاس رہو یہاں پہروں کی فرصت ہے آج
سامنے ہے وہ آئینہ پر آنکھ نہیں کھل سکتی ہے
دل تنگی سے رکے ہے دم کیا کہیے کیا صورت ہے آج
فرق و تیغ چھٹے رہتے ہیں جب سے دل کی لاگ لگی
اس ظالم بے رحم کی میری ایسی کیا صحبت ہے آج
شیشہ صراحی ساغر مینا سب کل تک بھی حاضر تھے
کوے بادہ فروشاں میں یہ میری کیا حرمت ہے آج
میرؔ کھڑے ہیں ایک ساعت میں غش تم کرنے لگتے ہو
تاب نہیں کیا ضعف سے جی میں دل کیا بے طاقت ہے آج

(۳۷)

ہم تو لب خوش رنگ کو اس کے مانا لعل احمر آج
اور غرور سے ان نے ہم کو جانا کنکر پتھر آج
عشق کے جو سرگشتہ ہوئے ہم رفتہ رفتہ دوران ہوا
پاؤں کو چکر ہوتا ہے یہاں سر کو بھی چکر ہے آج
عرش پہ دھونی لگانے کو تھے کل تک دود دل سے ہم
خاک سے یہاں کی درویشانہ ہم نے بچھایا بستر آج
جینے سے ہم غم کشتوں کے خاطر بھی تم جمع کرو
کل تک کام کھینچے گا کیوں کر غش آتا ہے اکثر آج
ملکوں ملکوں شہروں شہروں قصبہ و قریہ شہر دیار
شعر وبیت و غزل سے اپنی ہنگامہ ہے گھر گھر آج
خط سے آگے مہر وفا کا دعوئ سب کچھ صادق تھا
جامہ مصحف گو پہنے وہ کون کرے ہے باور آج

دیدہ و دل اس کی جانب میل کلی سی رکھتے ہیں
عشق میں ہم بے کس واقع ہیں یار نہیں بے یاور آج
عشق کیا ہو ہم نے کہیں تو عشق ہمارا جی مارے
یوں ہی کورو دلبر اپنا ہم سے ہوا ہے -- آج
کل کہتے ہیں قیامت ہوگی کل کی کل ہی لیں گے دیکھ
یہاں تو قیامت عشق میں اس کے ہے گی ہمارے سر پر آج
کرتی ہے بو زلف معنبر آئے ہو کچھ بے خود سے؟
بارے مزاج شریف تمہارا میرؔ گیا ہے کیدھر آج

(۳۸)

کس تازہ مقتل پہ کشندے تیرا ہوا ہے گذارا آج
زہ دامن کی بھری ہے لہو سے کس کو تو نے مارا آج
کل تک ہم نے تم کو رکھا تھا سو پردے میں کلی کے رنگ
صبح شگفتہ گل جو ہوئے تم سب نے کیا نظارہ آج
کوئی نہیں شاہان سلف میں خالی پڑے ہیں دونوں عراق
یعنی خود گم اسکندر ہے ناپیدا ہے دارا آج
چشم مشتاق اس کے رخ سے لحظہ اٹھتی نہیں
کیا ہی لگے ہے اس کا اچھا مکھڑا پیارا پیارا آج
اب جو نسیم معنبر آئی شاید بال کھلے اس کے
شہر کی ساری گلیوں میں گویا پھیلا عنبر سارا آج
کل ہی جوش وخروش ہمارے دریا کے ست تلاطم تھے
دیکھ کر اس آشوب زماں کو کر بیٹھے ہیں کنارہ آج
چشم چرائی دور سے کر وا مجھ کو لگا یہ کہتے گیا
صید کریں گے کل ہم آ کر ڈال چلے ہیں چارا آج
کل ہی زیاں جیوں کے کیے ہیں عشق میں جن جن لوگوں نے

سادگی میری چاہ میں دیکھو ڈھونڈوں ہوں میں چارہ آج
میر ہوئے ہو بے خود کب کے آپ میں بھی تو ٹک آؤ
ہے دروازے پر انبوہ اک رفتہ شوق تمہارا آج

(۳۹)

شہر سے یار سوار ہوا جو سواد گرد و غبار ہے آج
دشتی وحش طیر کئی سر تیز آئے ہیں شکار ہے آج
بر افروختہ رخ ہے اس کا کس خوبی سے مستی میں
پی کے شراب شگفتہ ہوا ہے اس نو گل پہ بہار ہے آج
اس کا بحر حسن سراسر اوج و موج تلاطم ہے
شوق کی اپنے نگاہ جہاں تک جاوے بوس و کنار ہے آج
آنکھیں اس کی لال ہوئی ہیں اور چلے جاتے ہیں جھپ کے
رات کو دارو پی سویا تھا اس کا صبح خمار ہے آج
گھر آئے ہو فقیروں کے تو آؤ بیٹھو لطف کرو
کیا ہے جان و تن اپنے سو ان قدموں پہ نثار ہے آج
کیا پوچھو ہو سانجھ تلک پہلو میں کیا کیا تڑپے ہے
کل کی نسبت دل کو ہمارے کچھ تو یار و قرار ہے آج
مت چوکو اس جنس گراں کو دل کو وہیں لے جاؤ تم
ہندوستان میں ہندو بچوں کی بہت بڑی سرکار ہے آج
خوب جو آنکھیں کھول کے دیکھا شاخ گل سا نظر آیا
ان رنگوں پھولوں میں ملا ہے محو جلوہ یار ہے آج
بند عشق جدھر چاہے لے جائے ہے محمل لیلیٰ کا
یعنی ہاتھ میں مجنوں کے ناقہ کی اس کے مہار ہے آج
رات کا پہنا ہار جو اب تک دن کو اتارا اس کو نہیں
شاید میرؔ جمال گل بھی اس کے گلے کا ہار ہے آج

(۴۰)

اس کے رنگ کھلا ہے شاید کوئی پھول بہار کے بیچ
شور پڑا ہے قیامت کا سا چار طرف گلزار کے بیچ
رحم کرے وہ دیدہ ذرا تو دم بھر دیکھنے آوے یہاں
نیم نفس ہے باقی نہیں ہے اس کے کسو بیمار کے بیچ
چین نہ دے گا خاک کے نیچے ہرگز عشق کے ماروں کو
دل تو ساتھ اے کاش نہ گاڑیں ان لوگوں کے مزار کے بیچ
چشم شوخ سے اس کی نسبت یارو کیا ہے غزالہ کو
دیکھتے ہیں ہم بڑا تفاوت شہری اور گنوار کے بیچ
کون شکار رم خوردہ سے جا کے کہے ٹک پھر کر دیکھ
کوئی سوار ہے تیرے پیچھے گرد و خاک و غبار کے بیچ
رونے سے جو رود بہا تو ایسا اس کا کیا ہے عجب
جذب ہوئے ہیں کیا کیا دریا اپنے جیب و کنار کے بیچ
چشمک غمزہ عشوہ کرشمہ ناز انداز و آن ادا
حسن سوائے حسن ظاہر میرؔ بہت ہیں یار کے بیچ

(۴۱)

آج ہمیں بد حالی سی ہے حال نہیں ہے جان کے بیچ
کیا عاشق ہونے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جہان کے بیچ
درجہ اس کی شہادت کا ہے عرشِ عظیم سے بالا تر
جو مظلوم عشق ہوا ہے پڑا رہا میدان کے بیچ
یوں ہی نظر پڑی رہتی ہیں حیرت میں تو آنکھ سفید
دیکھے ہے ہیرے کی دمک میں اس چشم حیران کے بیچ
وہ پرکالہ عاشق ایسا صبح تلک بھڑکا ہی نہ تھا

کیا جانوں کیا ہونک دیا لوگوں نے اس کے کان کے بیچ
وعدے کرو ہو برسوں کے اس کا بھروسا ہم نہیں
کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے یاں اک پل میں ایک آن کے بیچ
تعجب سے فارسی کے جو میں نے ہندی شعر لکھے
ساری ترک بچے ظالم اب پڑھتے ہیں ایران کے بیچ
بندے خدائی باگ کے جو ہم میر نہیں تو زیر فلک
پھر آیا ہے تقدس کہاں سے مشتِ خاک آن کے بیچ

(۴۲)

فصل گل میں اسیر ہوئے تھے من کی رہی ہے من کے بیچ
اب یہ ستم ہے تازہ ہم پر قید کیا ہے چمن کے بیچ
یہ الجھاؤ سلجھتا ہم کو دے ہے دکھائی مشکل سا
یعنی دل اٹکا ہے جاکر ان بالوں کی شکن کے بیچ
وہ کرتا ہے زباں بازی حیرت سے ہم چپکے ہیں
کچھ بولا نہیں جاتا یعنی اس کے حرف و سخن کے بیچ
دشت بلا میں جاکر مرئیے اپنے نصیب جو سیدھے ہوں
وہاں کی خاک عنبر کی جاگہ رکھ دیں لوگ کفن کے بیچ
کبک کی جان مسافر ہووے دیکھے خرام ناز اس کا
نام نہیں لیتا ہے کوئی اس کا میرے وطن کے بیچ
کیا شیریں ہے حرف و حکایت حسرت ہم کو آتی ہے
ہائے زبان اپنی بھی ہووے یک دم اس کے دہن کے بیچ
غم و اندوہ عشق سے ہم ہر لحظہ نکلتے رہتے ہیں
جان غلط کر میر آئی ہے گویا تیرے بدن کے بیچ

(۴۳)

وہ نوبادۂ گلشن خوبی سب سے رکھے ہے نرالی طرح
شاخ گل سا جائے ہے لہکا ان نے نئی یہ ڈالی طرح
مونڈھے پہنے ہے چولی چسی ہے مہری پھنسی ہے بند کسے
اس اوباش نے پہناوے کی اپنے تازہ نکالی طرح
جبہ نوچا منہ نوچا سب سینہ نوچا ناخن سے
میر نے کی ہے غم غصے میں اپنی یہ بدحالی طرح

(۴۴)

اس سے نہ الفت ہو مجھ کو تو ہووے نہ میرا چہرہ زرد
ہاتھ نہ رکھوں دل پر میں تو مجھ پہ بلا ہے قیامت درد
ملنے میں خنکی ہی کرتا کاش کے پہلے چاہ کے دن
گرمی نہ ہوتی آپس میں تو کھنچتی نہ ہر دم آہ سرد
برسوں میں اقلیم جنوں سے دو دیوانے نکلے تھے
میر آوارہ شہر ہوا ہے قیس ہوا ہے بیاباں گرد

(۴۵)

کچھ تدبیر بتاؤ ہم کو دل اپنا ہے درد آلود
خاک اڑاتے کہاں تک پھریے چہرہ ہے سب گرد آلود

(۴۶)

اپنے موئے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جانوں پر
کیا کیا سینہ زنی رہتی ہے درد و غم کے فسانوں پر
میں تو کیا کیا حرف و سخن تھے میرے جہاں سے جاتے رہے
باتیں درد آگیں ہیں اب تک کیسی کیسی زبانوں پر

تو بھی رباط کہن سے صوفی سیر کو چل ٹک سبزے کی
ابر سیہ قبلے سے آ کر جھوم پڑا میخانوں پر
آمد و رفت نسیم سے ظاہر رنجش بلبل ہے لیکن
باؤ بھی اب تک بہے نہیں گلہائے چمن کے کانوں پر
جیغہ جیغہ اس کی سی ابرو دل کش نکلی نہ کوئی یاں
روز کئے لوگوں نے آ کر نقش و نگار کمانوں پر
جان تو ہے یہاں گرم رفتن لیت ولعل دہان ویسے ہے
کیا کیا مجھ کو جنوں آتا ہے اس لڑکے کے بہانوں پر
بعد مرے سبحہ کو لیکن ہاتھوں ہاتھ ملک لیں گے
سو سو بار لیا ہے میں نے نام اس کا سو دانوں پر
دل کی حقیقت عرش کی عظمت سب کچھ ہے معلوم ہمیں
سیر رہی ہے اکثر اپنی ان پاکیزہ مکانوں پر
راہ چلو تم اپنے اپنے میرے طریق سے کیا تم کو
آنکھوں سے پردہ میں نے کیا ہے ان پاؤں کے نشانوں پر
عشق عجائب زور آور ہے کشتی سب کی پاک ہوئی
ذکر میرؔ ہے کیا پیری میں حرف وسخن ہے جوانوں پر

(۴۷)

تجھ کو ہے سوگند خدا کی میری اور نگاہ نہ کر
چشم سیاہ ملا کر یوں ہی مجھ کو خاک سیاہ نہ کر
عشق محبت یاری میں ایک لطف رکھے ہے کرنا ضبط
چھاتی پہ ہو جو کوہ الم کا تو بھی نالہ وآہ نہ کر
مانگ پناہ خدا سے بندے دل لگنا ایک آفت ہے
عشق نہ کر زنہار نہ کر و اللہ نہ کر باللہ نہ کر
گھاس ہے میخانے کی بہتر ان شیخوں کے مصلے سے

پاؤں نہ رکھ سجادے پہ ان کے اس جادے سے راہ نہ کر
میر نہ ہم کہتے تھے تجھ سے حال نہیں کچھ رہنے کا
چاہ بلائے جان و دل ہے آ جانے دے چاہ نہ کر

(۴۸)

کل سے دل کی کل بگڑی ہے مارا ہے جی بے کل ہو کر
آج لہو آنکھوں میں آیا درد و غم سے رو رو کر
ایک سجود خلوص دل سے آہ کیا نہ جوانی میں
سر محرابوں میں مارے ہیں یوں وقت کو اپنی کو کھو کر
جیب دریدہ خاک ملوں کے حال سے کیا آگاہی تمھیں
راہ چلو ہو نازکناں دامن کو لگا کر تم ٹھوکر
ایک تو ہم تو ہوتے نہیں ہیں سر بہتیرا مار چکے
اب بہتر ہے تیغ ستم کی جلد لگا کر تو دو کر
جی ہی ملا جاتا ہے اپنا میر سماں یہ دیکھے سے
آنکھیں ملتے اٹھتے ہیں بستر سے دل بر جب سو کر

(۴۹)

عشق ہمارا خون کرے ہے جی نہیں رہتا یار بغیر
وہ گھر سے نہیں اپنے نکلتا دم بھر بھی تلوار بغیر
جان عزیز کی جاں بھی گئیے پر آنکھیں کھلی رہ جاویں گی
یعنی کشتہ حسرت تھا میں آئینہ سان دیدار بغیر
گوندھے گئیے سو تازہ رہے جو سبد میں تھے سو ملامت سے
سوکھ کے کانٹا پھول ہوئے وے اس کے گلے کے ہار بغیر
پھولوں کا موسم کاش کے ہو پردے سے ہوا کے چشمک زن
گل کھائے ہیں ہزار خزاں میں مرغ چمن نے بہار بغیر

وحشی و طیر سے دشت بھرے تھے صیادی تھی یار کی جب
خالی پڑے ہیں دام کہیں میراس کے ذوق شکار بغیر

(۵۰)

اس بستر کے گل خوشبو ہیں افسردہ مرجھائے ہنوز
اس نکہت سے موسم گل میں پھول نہیں یہاں آئے ہنوز
اس زلف و کاکل کو گوندھے دیر ہوئی مشاطہ کو
سانپ سے لہراتے ہیں پر بال اس کے بل کھائے ہنوز
آنکھ لگے گزری ہے مدت پائے عشق جو بیچ میں ہے
ملتے ہیں معشوق اگر تو ملتے ہیں شرمائے ہنوز
تہ داری کیا کہیے اپنی سختی سے اس کی جیتے موئے
حرف و سخن کچھ منہ پر اپنی ہرگز ہم نہیں لائے ہنوز
ایسی معیشت کر لوگوں سے جیسی غم کش میرؔ نے کی
برسوں ہوئے ہیں اٹھ گئے ان کو روتے ہیں ہمسائے ہنوز

(۵۱)

کب سے آنے کہتے ہیں تشریف نہیں لاتے ہیں ہنوز
آنکھیں موندے جا ہی چکے ہم دیکھو تو آتے ہیں ہنوز
کہتا ہے برسوں سے ہمیں تم دور ہو یہاں سے دفع بھی ہو
شوق و سماجت سیر کرو ہم پاس اس کے جاتے ہیں ہنوز
راتوں پاس گلے لگ سوتے ننگے ہو کر ہے یہ عجب
دن کو بے پردہ نہیں ملتے ہم سے شرماتے ہیں ہنوز
ساتھ کے پڑھنے والے فارغ تحصیل علمی سے ہوئے
جہل سے مکتب کے لڑکوں میں ہم دل بہلاتے ہیں ہنوز
گل صد رنگ چمن میں آئے باد خزاں سے بکھر گئے
عشق وجنوں کی بہار کے عاشق میر جی گل کھاتے ہیں ہنوز

(۵۲)

کیا کیا تم نے ہم سے کہا تھا کچھ نہ کیا افسوس افسوس
کیا کیا کڑھایا جی سے مارا لوہو پیا افسوس افسوس
یوں ہی نہ آیا وہ کچھ لیکن نور چراغ جان میں تھا
گل ہو ہی گیا آخر کو یہ بجھتا سا دیا افسوس افسوس
رخصت میں پابوس کی اس کی جی جاتا تھا سو ان نے
ہاتھ میں عاشق وارفتہ کا دل نہ لیا افسوس افسوس
میر کی آنکھیں مندنے پر وہ دیکھنے آیا تھا ظالم
اور بھی یہ بیمار محبت ٹک نہ جیا افسوس افسوس

(۵۳)

عالم علم سے اس عالم میں ہر لحظہ طاری ہے فیض
ہے معلوم کہ عالم عالم پھر یاں وہ جاری ہے فیض
سنگ و شجر ہیں پانی یوں ہی غنچہ و گل ہیں بارو بر
عالم ہزدہ ہزار جو ہیں یہ سب میں وہ ساری ہے فیض

(۵۴)

لطف جوانی کے ساتھ گئے پیری نے کیا ہے کیا محظوظ
کیوں کہ جئیں حیرت ہے یارب بے مزہ ایسے نا محظوظ
رونے کڑھنے کو عیش کہو ہو ہم تو تمھارے دعا گو ہیں
یوں ہی ہمیشہ عشق میں اس کے رکھے ہم کو خدا محظوظ
زردی منہ کی اشک کی سرخی دونوں اب تو رنگ پہ ہیں
شاید میر بہت رہتے ہو اس سے ہو کے جدا محظوظ

(۵۵)

کیا جھمکا فانوس میں اپنا دکھلاتی ہے دور سے شمع
وہ منھ ٹک اودھر نہیں کرتا داغ ہے اس کے غرور سے شمع
وہ بیٹھا ہے جیسے نکلے چودھویں رات کا چاند کہیں
روشن ہے کیا ہوگی طرف اس طرح رخ پر نور سے شمع
داغ جلائے فلک نے از بس سر و چراغاں مجھ کو کیا
روشن ہے کیا ہو گی اس کی سطح رخ پر نور سے شمع ۵
دل میں اس کے فروغ نہ تھا جلتی تھی بجھی سی مجلس میں
آخر لوگ اٹھا لیتے تھے شتابی اس کے حضور سے شمع
جلنے کو آتی ہیں جو ستیاں میرؔ سنبھل کر جلتی ہیں
کیا بے صرفہ رات جلی بے بہرہ تھی شعور سے شمع

----

۵ یہ شعر آسی میں نہیں ہے۔ جب کہ مصرعہ اولیٰ کی تبدیلی کے ساتھ شعر اسی طرح ہے جو اوپر درج ہے۔

(۵۶)

کیا کہیے میاں اب کے جنوں میں سینہ اپنا یکسر داغ
ہاتھ گلوں سے گلدستے ہیں شمع نمط ہے سر پر داغ
داغ جلائے فلک نے بدن پر سرو چراغاں ہم کو کیا
کہاں کہاں اب مرہم رکھیں جسم ہوا ہے سرسر داغ
صحبت درگیر آتے اس کی پہر گھڑی ساعت نہ ہوئی
جب آئے ہیں پاس سے اس کے تب آئے ہیں اکثر داغ
غیر کو دیکھ کے اس مجلس میں غیرت عشق سے آگ لگی
اچھلے کودے سپند نمط ہم آخر ہو گئے جل کر داغ
جلتی چھاتی پہ سنگ زنی کی سختی ایام سے میرؔ
گرمی سے میری آتش دل کی سارے ہوئے وے پتھر داغ

(۵۷)

ہم کو شہر سے اس مہ کے ہے عزم راہ دروغ دروغ
یہ حرکت تو ہم نہ کرنے کے خانہ سیاہ دروغ دروغ
الفت کلفت کون کہے ہے چاہ گناہ لکھا کن نے
بے دردی سے وے رکھتے ہیں یہی گناہ دروغ دروغ
شیخ کو وہ تو جھوٹ کہے ہے جھوٹ کو کیوں کر جھوٹ گنیں
اہل درد جو ہو کوئی تو کہیے آہ دروغ دروغ
عشق کے مارے غم زدگاں سے انس کرے بہتان و کذب
اس بے مہر کی ہم لوگوں سے الفت و چاہ دروغ دروغ
کس دلبر کو شوق سے دیکھا میرؔ غلط ہے تہمت ہے
منھ پہ کسو کے پڑی نہیں ہے گاہ نگاہ دروغ دروغ

(۵۸)

دیکھ نہ ہر دم اے عاشق قاتل کی تیغ جفا کی طرف
کوئی نظر کر عبرت آگیں اس کے ناز و ادا کی طرف
چار طرف ہے نزول حوادث جاؤں کدھر میں تنگ آیا
غالب ہے کیا عہد میں میرے رنج و عناد و بلا کی طرف
آوے زمانہ جب ایسا تو ترک عشق بتاں کا کر
چاہیے بندہ قصد کرے جانے کا اپنے خدا کی طرف
قحط مروت اب جو ہوا ہے کس کو دماغ بادہ کشی
ابر آیا سبزہ بھی ہوا کرتا نہیں کوئی ہوا کی طرف
ظلم و ستم سے جور و جفا سے کیا کیا عاشق مارے گئے
شہر حسن کے لوگوں میں کرتا نہیں کوئی وفا کی طرف
شام و سحر ہے عکس سے اپنے حرف و سخن اس گل رو کو

پشت پا سے نگاہ اٹھائی چھوڑی ان نے حیا کی طرف
ہاتھ کسو کا دیکھتے رہنا ہرگز ہم سے ہو نہ سکا
اپنی نظر اے میر رہی ہے اکثر دست دعا کی طرف

(۵۹)

عشق سے ہم کو نگاہ نہیں کچھ ہائے زیان جاں کی طرف
ورنہ سبھی دیکھا کرتے ہیں اپنے سود و زیاں کی طرف
ازبس مکروہات سے یاں کے مزبلہ زار لبالب ہے
یہاں سے گئے پر پھیر کے منہ دیکھا نہ کنوں نے جہاں کی طرف
صورت کی شیرینی ایسی تلخی زباں کی ایسی کچھ
منہ دیکھیے اس کا جو کوئی پھر دیکھے ہے زباں کی طرف
وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لیکن دیر تلک
آنکھیں اہل نظر کی رہیں گی اس کے قدم کے نشاں کی طرف
کس سے کہوں جو میر طرف کر اس سے داد دلا دیوے
چھوٹے بڑے ہر ایک نے کی ہے اس اوباش جواں کی طرف

(۶۰)

آج ہمارا سر پھرتا ہے باتیں جتنی سب موقوف
حرف و سخن جو بایک دیگر تھے سو تو ہوا ہے اب موقوف
کس کو دماغ اب اس سے رہا یاں اب آٹھ پہر کی منت کا
ربط اخلاص سے دن گذرے ہے اس سے خلطہ سب موقوف
اس کی گلی میں آمد و شد کی گھات ہی میں ہم رہتے تھے
اب جو شکستہ پا ہو بیٹھے ڈھب کرنے کے ڈھب موقوف
وہ جو مانع ہو تو کیا ہے شوقِ کمال کو پہنچا ہے
وقفہ ہوگا تب ملتے ہیں ہم بھی کریں گے جب موقوف

حلقے پڑے ہیں چشم نم میں سوکھے ایسے تم نہ رہے
رونا کڑھنا عشق میں اس کے میر کرو گے کب موقوف

(۶۱)

مہر قیامت چاہت آفت فتنہ فساد بلا ہے عشق
عشق اللہ صیاد انھیں کہیو جن لوگوں نے کیا ہے عشق
عشق سے نظم کل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خوب
ہر شے یاں پیدا جو ہوئی ہے موزوں کر لایا ہے عشق
عشق ہے باطن اس ظاہر کا ظاہر باطن عشق ہے سب
اودھر عشق ہے عالم بالا ایدھر سب دنیا ہے عشق
دائر سائر ہے یہ جہاں میں جہاں تہاں متصرف ہے
عشق کہیں پنہاں ہے دل میں اور کہیں پیدا ہے عشق
موج زنی ہے میر فلک تک ہر لجہ ہے طوفاں زار
سرتا سر ہے تلاطم جس کا ہے وہ اعظم دریا ہے عشق

(۶۲)

ارض و سما میں عشق ہے ساری چاروں اور بھرا ہے عشق
ہم ہیں جناب عشق کے بندے نزدیک اپنے خدا ہے عشق
ظاہر وباطن اول و آخر پائیں بالا عشق ہے سب
نور و ظلمت معنی وصورت سب کچھ آپ ہوا ہے عشق
ایک طرف جبریل ہے آتا ایک طرف لاتا ہے کتاب
ایک طرف پنہاں ہے دلوں میں ایک طرف پیدا ہے عشق
خاک و باد و آب و آتش سب ہے موافق اپنے تئیں
جو کچھ ہے سو عشق بتاں ہے اب کیا کہیے کیا ہے عشق
میر کہیں ہنگامہ آرا میں تو نہیں ہوں چاہت کا
صبر نہ مجھ سے کیا جاوے تو معاف رکھو کہ نیا ہے عشق

دل کی تڑپ نے ہلاک کیا ہے دھڑکے نے اس کے اڑائی خاک
خشک ہوا خون اشک کے بدلے ریگ رواں سی آئی خاک
صورت کے ہم آئینہ کی سی ظاہر فقر نہیں کرتے
ہوتے ساتے روتے پاتے ان نے منھ کو لگائی خاک
پیچ و تاب سے خاک بھی میری جیسے بگولا پھرنے لگی
سر میں ہوا ہی اس کے بہت تھی تب تو ہوئی یہ ہوائی خاک
اور غبار کسو کے دل کا نکلے کس انداز سے آہ
روئے فلک پر بدلی سی تو ساری ہماری چھائی خاک
نعمت رنگارنگ حق سے بہرہ بخت سیہ کو نہیں
سانپ رہا گو گنج کے اوپر کھانے کو تو کھائی خاک
اپنے تئیں گم جیسا کیا تھا کھینچ کے سر یاں لوگوں نے
عالم خاک میں ویسی ہی اب ڈھونڈوں ان کی نہ پائی خاک
انس نہیں انسان سے اچھا عشق و جنوں ایک آفت ہے
فرق ہوئے چھوڑے ہے کیا آدم میں اس کی جدائی خاک
ہو کے فقیر گلی میں اس کی چین بہت سا پایا ہم
لے کے سرہانے پتھر رکھا جائے فرش بچھائی خاک
قلب گداز ہیں جن کے وے بھی مٹی سونا کرتے ہیں
میرؔ اکسیر بنائی انھوں نے جن کی جہاں سے اٹھائی خاک

(۶۳)

وہ نہیں ملتا ایک کسو سے مرتے ہیں اودھر جاجا لوگ
یعنی ضائع اپنے تئیں کرتے ہیں اُس بن کیا کیا لوگ
جیسے غم ہجراں میں اس کے عاشق جی کھو بیٹھے ہیں

برسوں مارے چرخ فلک تو ایسے ہوویں پیدا لوگ
زلف وخال وخط سے اس کے جہاں تہاں اب مبحث ہے
عقل ہوئی ہے گم خلقت کی یا کہتے ہیں سودا لوگ
چار قدم چلنے میں اس کے دیکھتے جاتے ہیں جو کفک
فتنے سر کھینچا ہی کریں ہیں ایک قیامت برپا لوگ
دنیا جائے نہیں رہنے کی میر غرور نہیں اچھا
جو جاگہ سے جاتے ہیں اپنی وے کرتے ہیں بے جا لوگ

(۶۴)

رات کی بات کہیں ہم کس سے بے تہ یاں اکثر ہیں لوگ
سرگرم بے راہ روی ہیں خود گم بے رہبر ہیں لوگ
بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں
خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ
دیوانے ہیں شہر وفا کی راہ و رسم کے ہم تو میر
دل کے کہے جی دینے والے قطبۂ گھر گھر ہیں لوگ

(۶۵)

دل دل لوگ کہا کرتے ہیں تم نے جانا کیا ہے دل
چشم بصیرت وا ہووے تو عجائب دید کی جا ہے دل
اوج وموج کا آشوب اس کے لے کے زمیں سے فلک تک ہے
صورت میں تو قطرۂ خوں ہے معنی میں دریا ہے دل
صحرا کو جیسے کشادہ دامن ہم تم سنتے آئے ہیں
بند کر آنکھیں ٹک دیکھو تو ویسا ہی صحرا ہے دل
کوہکن و مجنوں و وامق جس سے پوچھو پتا دیوے
عشق وجنوں کے شہروں میں ہر چار طرف رسوا ہے دل

ہائے غیوری دل کی اپنے داغ کیا ہے خود سر نے
جی ہی جس کے لیے جاتا ہے اس سے بے پروا ہے دل
مت پوچھو کیوں زیست کرو ہو مردہ سے افسردہ تم
ہجر میں اس کے ہم لوگوں نے برسوں تک مارا ہے دل
میر پریشاں دل کے غم میں کیا کیا خاطرداری کی
خاک میں ملتے کیوں نہ پھریں اب خون ہو بہ بھی گیا ہے دل

(٦٦)

رنگارنگ چمن میں اب کے موسم گل میں آئے گل
ہم تو اس بن داغ ہوئے سو اور بھی جل کر کھائے گل
ہار گلے کے ہو کر جیسے یاد رکھا تب عرصے میں
طرفہ تو یہ ہے اب منت سے میری گور پہ لائے گل
آئے شب گل میر ہمیں کیا صبح بہار سے کیا حاصل
داغ جنوں ہے سر پہ ہمارے شمع کے رنگوں جائے گل

(٦٧)

ہاتھ رکھیں تو دل نہیں رہتا بے تابی سے بے جان ہے دل
پاؤں میری چھاتی پر رکھ چل شاید ٹھہرے یہاں ہے دل [٦]
یہ ہی کیا خون ہو کر کب کا ساتھ ۔۔۔خونین کی
اب جو گرہ سی ہے سینہ میں خواہش کوئی کہاں ہے دل
میر یہ کیا پوچھو ہو تجھ سے دل سرکار کا کیدھر ہے
میں تو بیدل ہو بیٹھا ہوں اور کسی کے ہاں ہے دل

----

[٦] یہ غزل آسی اور فائق میں شامل نہیں ہے۔

(۶۸)

عشق کی چوٹیں پے در پے جو اٹھائی گئیں سو گھائل ہے دل
یوں بیدم ہے اب پہلو میں جوں صیدِ بسمل ہے دل
خون ہوا ہے چاک ہوا ہے جلتے جلتے داغ ہوا
خواہش کیا ہے اس کو یارب کس کے لیے بیدل ہے دل
عشق کی بجلی آ کے گری سو داغ ہوا ہے سرتاسر
کیا رووے جون ابر کوئی اس مزرع کا حاصل ہے دل
یوں تو گرہ سینہ میں ہمارے درد و غم کی ہو کے رہا
کس سے ظاہر کرتے جا کر کام بہت مشکل ہے دل
آنکھوں کی دیکھا دیکھی ہرگز دل کو نہ اس سے لگنا تھا
جیسی سزا پہنچاوے کوئی اب اس کے قابل ہے دل
عمر انسان راہ تو ہے تشویش سے طے ہوتی ہے ولے
دل کی تیئں پہنچے جو کوئی چین کی پھر منزل ہے دل
شہد لب سے اس کے سے چپکا جی کا صرفہ کچھ نہ کیا
میر جو دیکھا اپنے حق میں کیا زہر قاتل ہے دل

(۶۹)

شاید ہم سے ضد رکھتے ہو آتے نہیں ٹک ایدھر تم
سب سے گلی کوچوں میں ملو ہو پھرتے رہو ہو گھر گھر تم
کیا رکھیں یہ تم سے توقع خاک سے آ کے اٹھاؤ گے
راہ میں دیکھو افتادہ تو اور لگاؤ ٹھوکر تم
اس سے زیادہ ہوتا نہ ہوگا دنیا میں بھی نچلاپن
سون کے بیٹھے رہتے ہو حال ہمارا سن کر تم
لطف و مہر و خشم و غضب ہم ہر صورت میں راضی ہیں
حق میں ہمارے کر گذرو بھی جو کچھ جانو بہتر تم

رنگ ہمارا جیسا اب ہے کاہے کو آگے ایسا تھا
پاؤں میں اپنے مہندی اپنے لگا کر آفت لائے سر پر تم
لوگ صنم کہتے تھے تم کو آپ سمجھے تھے ہم محفوظ
سختی سی سختی کھینچی گئی یعنی نکلے پتھر تم
چپکے سے کچھ آجاتے ہو آنکھیں بھر بھر لاتے ہو
میرؔ گذرتی کیا ہے دل پر کڑھا کرو ہو اکثر تم

(۷۰)

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر صبر کیا ہے کیا کیا ہم
آن لگے ہیں گور کنارے اس کی گلی میں جا جا ہم
ہاہا ہی ہی کر ٹالے گا اس کا غرور دو چنداں ہے
گھگھیانے کا اب کیا حاصل یوں ہی کرے ہیں ہاہا ہم
اب حیرت ہے کس کس جاگہ پنبہ و مرہم رکھنے کی
قد تو کیا ہے سرو چراغاں داغ بدن پر کھا کھا ہم
سیر خیال جنوں کا کریے صرف کریں باہم پر سب
پتھر آپ گلی کوچوں میں ڈھیر کیے ہیں لالا ہم
میرؔ فقیر ہوئے تو اک دن کیا کے ہیں بیٹھے سے
عمر رہی ہے تھوڑی اسے اب کیوں کر کاٹیں بابا ہم

(۷۱)

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
آجاویں جو وہ ہرجائی تو بھی نہ جاویں جا سے ہم
گریہ خونیں ٹک بھی رہے تو خاک سی منہ پر اڑتی ہے
شام و سحر سے رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم
اس کی نہ پوچھو دوری میں ان نے پرسش حال ہماری نہ کی

ہم کو دیکھو مارے گئے ہیں آکر پاس وفا سے ہم
چکپے کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے
دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم
کیا کیا عجز کریں ہیں لیکن پیش نہیں کچھ جاتا میر
سر رگڑے ہیں آنکھیں ملے ہیں اس کے حنائی پا سے ہم

(۷۲)

چاہیے یوں تھا بگڑی صحبت آپ ہی آ کے بناتے تم
رحلت کرنے سے آگے ایک دن دیکھنے مجھ کو آتے تم
چلتے کہا تھا جاؤ سفر کو آیئے گا تو ملیے گا
وعدہ وصل نہ ہوتا تو پھر کس کو جیتا پاتے تم
کیا دن تھے وہ ے دیکھتے تم کو نیچی نظر میں کرلیتا
شرما شرما لوگوں سے جب آنکھیں مجھ کو دکھاتے تم
بستر پر میں مردہ سا تھا جان سی مجھ میں آجاتی
کیا ہوتا جو رنجہ قدم کر میرے سرہانے آتے تم
دل کے اوپر ہاتھ رکھے ہی شام وسحر یہاں گذرے ہے
بد تھا حال دل عاشق کا ٹک تو ہاتھ میں لاتے تم
خاک ہے اصل طبیعت آدم چاہیے اس کو عجز کرے
بات کی تہ کو کچھ پاتے تو اتنا سر نہ اٹھاتے تم
چہرہ زرد نہ چاہیے سارا عشق میں جو ہوں غم کا مارا
رنگ یہ دیکھا ہوتا تو دل میر کہیں نہ لگاتے ہم

(۷۳)

صبر بہت تھا ایک سمیں میں جا سے اپنی نہ جاتے ہم
کس کس ناز سے وہ آتے پر آنکھ نہ ان سے ملاتے ہم

کعبے سے گر نذر اٹھے سو خرچ راہ اے وائے ہوئے
ورنہ صنم خانے میں جا زنار گلے سے بندھاتے ہم
ہاتھی مست بھی آوے چلا تو اس سے منہ کو پھیر نہ لیں
پھرتے ہیں سرمست محبت مے ناخوردہ ماتے ہم
ہائے جوانی وہ نہ گلے لگتا تو خشم عشق سے
نعل جڑے چھاتی میں جاتے ہاتھوں پر گل کھاتے ہم
عشق تو کارخوب ہے لیکن میر کھنچے ہے رنج بہت
کاش کہ عالم ہستی میں بے عشق محبت آتے ہم

(۷۴)

عشق ہمارے در پئے جاں تھا اپنے گھر سے نکل کر ہم
سر پر دیکھا یہی فلک ہے جاویں کیدھر چل کر ہم
بل کھائے ان بالوں سے کب عہدہ برآ ہوتے ہیں ہزار
تکیے کا سا بل نکلا ہے ٹک جو چلے تھے بل کر ہم
مت پوچھو کچھ پچھتاتے ہیں کیا کہیے گھبراتے ہیں
جی تو لیا ہے پاس بغل میں دل بیٹھے ہیں ڈل کر ہم
بے تگ دود کیا سیری ہو دیدار کے ہم سے تشنوں کو
پانی بھی پی سکتے نہیں ٹک اپنی جگہ سے ہل کر ہم
عشق جو ہوتا واقع میں تو سیدھے جاتے تیغ تلے
راہ ہوس کی پھر لی ہم نے یعنی چلے ہیں ٹل کر ہم
آگے تو کچھ اس کے آہیں گرم شعلہ شور فشانی تھیں
اب تو ہوئے ہیں میر اک ڈھیری خاکستر سی جل کر ہم

(۷۵)

ڈول لگائے بہتیرے پر ڈھب پہ کبھو نہیں آتے تم
آنا یکسو کب دیکھو ہو ایدھر آتے جاتے تم

ہر صورت کو دیکھ رہو ہو ہر کوچے کو جھانکو ہو
آگے عشق کیا ہوتا تو پھرتے جی نہ کھپاتے تم
چاہت آفت الفت کلفت مہر و وفا و رنج وبلا
عشق ہی کے سب نام ہیں یہ دل کاش کہیں نہ لگاتے تم
شائق ہو مرغان قفس کے آئے گھر صیادوں کے
پھول بھی دو تسکین کو ان کی کاش چمن سے لاتے تم
دونوں طرف سے کشش رہتی تھی نیا نیا تھا عشق اپنا
دھوپ میں آتے داغ ہوئے تو گرمی سے گل کھاتے تم
کیدھر اب وہ یک رنگی جو دیکھ نہ سکتے دل تنگی
رکتے پاتے ٹک جو ہمیں تو دیر تلک گھبراتے تم
کیا کیا شکلیں محبوبوں کی پردہ غیب سے نکلی ہیں
منصف ہو ٹک اے نقاشو ایسے چہرے بناتے تم
شاید شب مستی میں تمہاری گرم ہوئی تھیں آنکھیں کہیں
پیش از صبح جو آئے ہو تو آئے راتے ماتے تم
کب تک یہ دزدیدہ نگاہیں عمداً آنکھیں جھکا رکھنا
دلبر ہوتے فی الواقع تو یوں آنکھیں نہ چراتے تم
بعد نماز دعائیں کیں سو میرؔ فقیر ہوئے تم تو
ایسی مناجاتوں سے آگے کاش کہ ہاتھ اٹھاتے تم

(۷۶)

چاہ چھپی بے پردہ ہوئی اب یارب کیدھر جاویں ہم
کاش اجل بے وقت ہی پہنچے ایک طرف مر جاویں ہم
اس کی آنکھ کی اچپلیوں سے غش کرتے ہیں جگر داراں
کیا ٹھہرے گا دل اپنا جو بجلی سے ڈر جاویں ہم
صبر و قرار جو ٹک ہووے تو بہتر ہیں بے طاقت بھی

ہاتھ رکھے دل ہی پر کب تک اودھر اکثر جاویں ہم
خاک برابر عاشق ہیں اس کوچے میں ناچاری سے
گھر ہوں خانہ خرابوں کے تو اپنے بھی گھر جاویں ہم
میرؔ اپنی سب عمر گئی ہے سب کی برائی ہی کرتے
سر پر آیا جانے کا موسم اب تو بھلا کر جاویں ہم

(۷۷)

ہم تو یہی کہتے تھے ہمیشہ دل کو کہیں نہ لگاؤ تم
کیا کہیے نہ ہماری سنی اب بیٹھے رنج اٹھاؤ تم
جھوٹ کہا کیا ہم نے اس میں طور جو اس سے ظاہر ہے
ہاتھ چلے تو عاشق زار کو خاک و خوں میں لٹاؤ تم
صبر کرو بیتاب رہو خاموش پھرو یا شور کرو
کس کو یاں پروا ہے کسو کی ٹھہرو آؤ جاؤ تم
ناز وغرور وتبختر سارا پھولوں پر ہے چمن کا سو
کیا مرزائی لالہ و گل کی کچھ خاطر میں نہ لاؤ تم
وائے کہ اس ہجراں کشتے نے باغ سے جاتے ٹک نہ سنا
گل نے کہا جو خوبی سے اپنی کچھ تو ہمیں فرماؤ تم
دست و پا بہتیرے مارے سر بھی پھوڑے حیرت سے
کیا کریے جو بے دست و پا ہم سوں کے ہاتھ آؤ تم
غم میں تمہاری صورت خوش کے سینکڑوں شکلیں گو بگڑیں
بیٹھے غرور و ناز سے بکھرے بال اپنے نہ بناؤ تم
در پہ حرم کے کشود نہیں تو دیر میں جا کر کافر ہو
قشقے کھینچو پوتھی پڑھو زنار گلے سے بندھاؤ تم
گود نبود ثبات رکھے تو یہ بھی میرؔ ایک بابت ہے
اس صفحے میں حرف غلط ہیں کاش کہ ہم کو مٹاؤ تم

(۷۸)

ہم نہ کہا کرتے تھے تم سے دل نہ کسو سے لگاؤ تم
جی دینا پڑتا ہے اس میں ایسا نہ ہو پچھتاؤ تم
سو نہ سنی تم نے تو ہماری آنکھیں لگو ہیں لگ پڑیاں
رو رو کر سر دھنتے ہو اب بیٹھے رنج اٹھاؤ تم
صبر کہاں جو تسکین ہووے بیتابی سے چین کہاں
ایک گھڑی میں سو سو بار اودھر سے ایدھر جاؤ تم
خواہش دل ہے چاہ کسو کی یہی سبب ہے کاہش کا
ناحق ناحق کیوں کہتے ہو حق کی طرف دل لاؤ تم
ہر کوچے میں کھڑے رہ رہ کر ایدھر اودھر دیکھو ہو
ہائے خیال یہ کیا ہے تم کو جانے بھی دواب آؤ تم
فاش نہ کریے راز محبت جانیں اس میں جاتی ہیں
درد دل آنکھوں سے ہر ایک کے تا مقدور چھپاؤ تم
قدر و قیمت میر تمہاری اس سے زیادہ کیا ہو گی
جس کے خواہاں دونوں جہاں ہیں اس کے ہاتھ بکاؤ تم

(۷۹)

عشق نے خوار و ذلیل کیا ہم سر کو بکھیرے پھرتے ہیں
سوز و درد و داغ الم سب جی کو گھیرے پھرتے ہیں
ہر شب ہوں سرگشتہ و نالاں اس بن کوچہ و برزن میں
یاس نہیں ہے اب بھی دیکھوں کب دن میرے پھرتے ہیں
دل لشکر میں ایک سپاہی زادے نے ہم سے چھین لیا
ہم درویش طلب میں اس کی ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں
بے خود اس کی زلف و رخ کے کاہے کو آپ میں پھر آئے

ہم کہتے ہیں تسلی دل کو سانجھ سویرے پھرتے ہیں
نقش کسو کا درون سینہ گرم طلب ہیں ویسے رنگ
جیسی خیالی پاس لیے تصویر چتیرے پھرتے ہیں
برسے اگر شمشیر سروں پر منہ موڑیں زنہار نہیں
سیدھے جانے والے اسدھر کے کس کے پھیرے پھرتے ہیں
پائے نگار آلودہ کہیں سانجھ کو میر نے دیکھے تھے
صبح تک اب بھی آنکھوں میں اس کی پاؤں بھی تیرے پھرتے ہیں

(۸۰)

ظلم و ستم کیا جور و جفا کیا جو کچھ کہیے سو اٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں رہتا نہیں دل پھر آتا ہوں
گھر سے اٹھ کر کونے میں بیٹھا بیت پڑھے دو باتیں کیں
کس کس طور سے اپنے دل کو اس بن میں بہلاتا ہوں
ہائے سبک ہو نا یہ میرا فرط شوق سے مجلس میں
وہ تو نہیں سنتا دل دے کر میں ہی باتیں بناتا ہوں
قتل میں میرے یہ صحبت ہے غم غصے سے محبت کے
لہو اپنا پیتا ہوں تلواریں اس کی کھاتا ہوں
آنے کی میری فرصت کتنی دو دم دو پل ایک گھڑی
رنجش کیوں کا ہے کو خشونت غصہ کیا میں جاتا ہوں
سرماروں ہوں ایدھر اودھر دور تلک جاتا ہوں نکل
پاس نہیں پاتا جو اس کو کیا کیا میں گھبراتا ہوں
پھاڑ کے خط کو گلے میں ڈالا شہر میں سب تشہیر کیا
سامنے ہوں قاصد کے کیوں کر اس سے میں شرماتا ہوں
پہلے فریب لطف سے اس کے کچھ نہ ہوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں کڑھتا ہوں پچھتاتا ہوں

مجرم اس خاطر ہوتا ہوں میں بعضے بعضے شوخی کر
عذر گناہ میں جا کر اس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا ہوں
دیکھتے ان پلکوں کے اکثر میر ہوں بے خود تنگ آیا
آپ کو پاتا ہوں تو چھری اس وقت نہیں میں پاتا ہوں

(۸۱)

تیغ کی نوبت کب پہنچے ہے اپنے جی کی غارت میں
عاشق زار کو مار رکھے ہے ایک ابرو کی اشارت میں
گذرے گر دل میں ہو کر تو ایک نگاہ ضروری ہے
کچھ کچھ تیرے غم نے لکھا ہے آکر واں کی عمارت میں
سوکھ کے میں تو عشق کے غم میں خس کے رنگ حقیر ہوا
وہ تقصیر نہیں کرتا ہے اب تک میری حقارت میں
ایک بگولا ساتھ مجھے بھی تربت قیس پہ لے آیا
کتنے غزال نظر واں آئے تھے مشغول زیارت میں
دل کو آگ اک دم میں دے دی اشک ہوئے چنگاری سے
کیا ہی شریر ہے شوخی برق ملائی ان نے شرارت میں
شیخ جو تھا دیدار بتاں کا منکر ایسا تھا معذور
دل کو بصیرت تھی نہ اس کے بے نوری تھی بصارت میں
خط و کتابت ایک طرف ہے دفتر لکھ لکھ بھیجے میر
کہیے کچھ جو صریر قلم کی کوتاہی ہو سفارت میں

(۸۲)

جو جو ظلم کیے ہیں تم نے سو سو ہم نے اٹھائے ہیں
داغ جگر پہ جلائے ہیں چھاتی پہ جراحت کھائے ہیں
تیغ دریغ نہیں ہے اس کی بسمل گہ میں کسو سے بھی

ہم تو شکار لاغر ہیں پر ایک امید پر آئے ہیں
ٹل کر سامنے یوں بھی اب جو تیر ترازو ہو اس کا
کیا کیا لہو پی کر دل کو اس پلے پر لائے ہیں
خم سے لگی میخانہ کے دیوار بھی اپنے گھر کی ہے
لطف پیر مغاں کا عجب کیا آخر ہم ہمسائے ہیں
شوق ہی غم میں بے صبری ہے آہ کسو کو کیا کہیے
اچھے اپنے جی کو ہم نے آپ ہی روگ لگائے ہیں
محو سخن ہم فکر سخن میں رفتہ رہتے ہیں بیٹھے
آپ کو جب کھویا ہے ہم نے تب یہ گوہر پائے ہیں
دیکھیں طرف ہے کون سی جس سے تیغ ناز بلند کرے
ہم نے بھی تو اس ہی جہت سے فرق نیاز جھکائے ہیں
تب تھے سپاہی اب ہیں جوگی آہ جوانی یوں کاٹی
ایسی تھوڑی رات میں ہم نے کیا کیا سوانگ بنائے ہیں
کس کو ایسی بے خبری تھی جس کے لیے تو یوں چونکا
سو ٹھوکر نے ان پلکوں کی کتنے فتنے جگائے ہیں
کون وہ ایسا تھا ظالم استاد فن عیاری کا
اتنے سن میں جن نے تجھ کو ایسے فریب سکھائے ہیں
میر مقدس آدمی تھے ہیں سبحہ بکف میخانے میں
صبح جو ہم بھی جا نکلے تو دیکھ کے کیا شرمائے ہیں

ے یہ غزل آسی اور فائق میں شامل نہیں ہے۔

(۸۳)

ضعف دماغ سے کیا پوچھو ہو اب تو ہم میں حال نہیں
اتنا ہے کہ طپش سے دل کی سر پر وہ دھمال نہیں

گاہے گاہے اس میں ہم نے منھ اس مہ کا دیکھا تھا
جیسا سال کہ پر کا گذرا ویسا بھی یہ سال نہیں
بالوں میں اس کے دل الجھا تھا خوب ہوا جو تمام ہوئے
یعنی گیا جب پیچ سے جی ہی تب پھر کچھ جنجال نہیں
ایسی متاع قلیل کے اوپر آنکھ نہ کھولیں اہل نظر
آنکھ میں آوے جو کچھ ہووے دنیا اتنی مال نہیں
سرو چمن کو سیر کیا تھا کبک خراماں دیکھ لیا
اس کا سا انداز نہ پایا اس کی سی یہ چال نہیں
دل تو ان میں پھنس جاتا ہے جی ڈوبے ہے دیکھ ادھر
چاہ زنخ گو چاہ نہیں ہے بال اس کے گو جال نہیں
کب تک دل کے ٹکڑے جوڑوں میرؔ جگر کے لختوں سے
کسب نہیں ہے پارہ دوزی میں کوئی وصال نہیں

(۸۴)

دل کے گئے بے دل کہلائے آگے دیکھیے کیا کیا ہوں
محزوں ہوویں مفتوں ہوویں مجنوں ہوویں رسوا ہوں
عشق کی رہ میں پاؤں رکھا سو رہنے لگے خود رفتہ سے
آگے چل کر دیکھیں ہم اب گم ہوویں یا پیدا ہوں
خاروخس الجھے ہیں آپ ہی بحث انھوں سے کیا رکھیں
موج زن اپنی طبع رواں سے جب ہم جیسے دریا ہوں
ہم بھی گئے جاگہ سے اپنی شوق میں اس ہرجائی کے
عشق کا جذبہ کام کرے تو پھر ہم دو یک جا ہوں
کوئی طرف یہاں ایسی نہیں جو خالی ہووے اس سے میر
یہ طرفہ ہے شورجرس سے چار طرف ہم تنہا ہوں

(۸۵)

صبح ہوئی گلزار کے طائر دل کو اپنے ٹٹولیں ہیں
یاد میں اس خود رو گل تر کی کیسے کیسے بولیں ہیں
باغ میں ہم جو دیوانے سے جا نکلے ہیں گریہ کناں
غنچے ہو ہو مرغ چمن کے ساتھ ہمارے بولیں ہیں
یار ہمارا آساں کیا کچھ سینہ کشادہ ہم سے ملا
خون کریں ہیں دل کو جب وہ بند قبا کے کھولیں ہیں
مینھ جو برسے ہے شدت سے دیکھ اندھیری کیا ہے یہ
یعنی تنگ جو ہم آتے ہیں کھول کے دل کو رولیں ہیں
وہ دھوبی کا کم ملتا ہے میل دل اودھر ہے بہت
کوئی کہے اس سے ملنے میں تجھ کو کیا ہم دھولیں ہیں
سر و تو ہے سنجیدہ لیکن پیش مصرع قد یار
ناموزوں ہی نکلے ہے جب دل میں اپنے تولیں ہیں
مرگ کا وقفہ اس رستے میں کیا ہے میر سمجھتے ہو
ہارے ماندے راہ کے ہیں ہم کوئی تو دم سولیں ہیں

(۸۶)

دل کی کچھ تقصیر نہیں ہے آنکھیں اس سے لگ پڑیاں
مار رکھا سو ان نے مجھ کو کس ظالم سے جا لڑیاں
ایک نگہ میں مر جاتا ہے عاشقِ کوچکِ دل اس کا
زہر بھری کیا کام آتی ہیں گو وے آنکھیں ہوں بڑیاں
عقدے داغ دل کے شاید دست قدرت کھولے گا
ناخن سے تدبیر کے میرے کھلتی نہیں یہ گل جھڑیاں
نحس تھے وہ کیا وقت و ساعت جن میں لگا تھا دل میرا
سال پہر ہے اب تو ہم کو ماہ برابر ہیں گھڑیاں

میر بلائے جان رہے ہیں دونوں فراق و وصل اس کے
ہجر کی راتیں وہ بھاری تھیں ملنے کے دن کی یہ کڑیاں

(۸۷)

جی مارا بیتابی دل نے اب کچھ اچھا ڈھنگ نہیں
رنگ طپیدن کی شوخی سے منہ پر میرے رنگ نہیں
وہ جو خرام ناز کرے ہے ٹھوکر دل کو لگتی ہے
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے دل میرا ہے سنگ نہیں
ہم بھی عالم فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں ان سے دل کے تنگ نہیں
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کیا ہو گے میرے طور شتابی ہو
بیٹھا ہوں کھڑے پاؤں میں کچھ چلنے میں درنگ نہیں
شعر میر بھی پڑھتا ہے تو اور کسو کا لے کر نام
کیوں کر کہیے اس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

(۸۸)

داغ فراق سے کیا پوچھو ہو آگ لگائی سینے میں
چھاتی سے وہ مہ نہ لگا ٹک آ کر اس بھی مہینے میں
چاک ہُوا دل، ٹکڑے جگر ہے، لوہو روئے آنکھوں سے
عشق نے کیا کیا رنگ دکھائے دس دن کے اس جینے میں
گوندھ کے گویا مٹی گل کی وہ ترکیب بنائی ہے
رنگ بدن کا تب دیکھو جب چولی بھیگے پسینے میں
اس صورت کا ناز نہ تھا کچھ دب چلتا تھا ہم سے بھی
جب تک دیکھا ان نے نہ تھا منہ خوب اپنا آئینے میں
لوگوں میں اسلام کے ہوتا شہرت اس رسوائی کی

شیخ کو پھیرا گدھے چڑھا کر مکّے اور مدینے میں
دل نہ ٹٹولیں کاش کے اس کا سردیِ مہر تو ظاہر ہے
پاویں اس کو گرم مبادا یار ہمارے کینے میں
میر نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشکِ خونیں کو
کہیے جو تقصیر ہوئی ہو اپنا لوہو پینے میں

(۸۹)

عالم علم میں ایک تھے ہم ولے حیف ہے ان کو گیان نہیں
اب کہتے ہیں خلطہ کیسا جان نہیں پہچان نہیں
کس امید پہ ساکن ہووے کوئی غریب شہر اس کا
لطف نہیں اکرام نہیں انعام نہیں احسان نہیں
ہائے لطافت جسم کی اس کے مر ہی گیا ہوں مت پوچھو
جب سے تن نازک وہ دیکھا تب سے مجھ میں جان نہیں
کیا باتوں سے تسلی ہو دل ہو مشکل عشق میری سب
یار سے کہنے کہتے ہیں پر کہنا کچھ آسان نہیں
شام و سحر ہم سرزدہ دامن سر بگریباں رہتے ہیں
ہم کو خیال ادھر ہی کا ہے ان کو ادھر کا دھیان نہیں
جان کے میں تو آپ بنا ہوں ان لڑکوں میں دیوانا
عقل سے بہرہ ہے مجھ کو گو اتنا میں نادان نہیں
پاؤں کو دامنِ محشر میں ناچاری سے ہم کھینچیں گے
لائق اپنی وحشت کے اس عرصے کا میدان نہیں
چاہت میں اس مایۂ جاں کی مرنے کے شائستہ ہوئے
جا بھی چکی ہے دل کی ہوس اب جینے کا ارمان نہیں
شور نہیں یاں سنتا کوئی میرؔ قفس کے اسیروں کا
گوش نہیں دیوار چمن کے گل کے شاید کان نہیں

(۹۰)

یوں ناکام رہیں گے کب تک جی میں ہے ایک کام کریں
رسوا ہو کر مارے جاویں اس کو بھی بدنام کریں
جن کو خدا دیتا ہے سب کچھ وے ہی سب کچھ دیتے ہیں
ٹوپی لنگوٹی پاس اپنے ہے اس پر کیا انعام کریں
منھ کھولے تو روز روشن زلف بکھیرے رات ہے پھر
ان طوروں سے عاشق کیوں کر صبح کو اپنی شام کریں
خط و کتابت حرف و حکایت صفحہ ورق میں آ جاوے
دستے دستے کاغذ ہو جو حال دل ارقام کریں
شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہو
سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں
دل آسودہ ہو تو رہے تک در پر ہم سو بار گئے
وہ سو یہی کہہ بھیجے ہے باہر جاویں اب آرام کریں
میل گدائی طبع کو اپنی کچھ بھی نہیں ہے ورنہ میر
دو عالم کو مانگ کے لاویں ہم جو تنک ابرام کریں

(۹۱)

پلکیں پھری ہیں کھنچی بھویں ہیں ترچھی تیکھی نگاہیں ہیں
اس اوباش کی سادگی دیکھو شوخی سے ہم چاہیں ہیں
کیا پہناوا خوش آتا ہے لڑکے چسپاں پوشوں کا
مونڈھے چسے ہیں چولی پھنسی ہے ٹیڑھی ٹیڑھی کلاہیں ہیں
ضبط گریہ دل سے ہو تو کوزہ میں دریا کرتا ہے
حوصلہ داری جن کی ہو ایسی عشق میں ان کو سراہیں ہیں
جب سے جدا میں ان سے ہوا ہوں حال عجب ہے روز و شب

چشم تر سے ٹپکے ہیں آنسو خشک لبوں پر آہیں ہیں
دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے رہ جاتے ہیں چپکے سے
چھاتی سراپے ان لوگوں کی جو چاہت کو نباہیں ہیں
دل الجھے ان بالوں میں تو آخر سودا ہوتا ہے
کوچے کو زنجیر کے یعنی زلفوں سے دو راہیں ہیں
یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میؔر نہ اپنے دل سے گیا
سوتے سیاٹھ کر آنکھیں ملی ہیں لے انگڑائی جماہیں ہیں

(۹۲)

صبر کیا ہے برسوں ہم نے رات سے بے طاقت سے ہیں
روز گذارا کب تک ہوگا اب کچھ ہم رخصت سے ہیں
رسم لطف نہیں ہے مطلق شہر خوش محبوباں میں
دیکھے ہیں کرتے جو کسو پر عاشق ہم مدت سے ہیں
عشق کے دین و مذہب میں مرجانا واجب آیا ہے
کوہکن و مجنون بھی ہوئے اب ہم بھی اسی ملت سے ہیں
ملنا نفروں سے ان کا چھوٹا آ کر میری صحبت میں
پھر متنفر بھی یہ بے تہ اب مجھ سے کی صحبت سے ہیں
فرصت ان کو کم ہے اگرچہ پر ملتے ہیں قابو پر
برسوں میؔر سے مل دیکھا ہے کچھ وے کم فرصت سے ہیں

(۹۳)

دل جلتے کچھ بن نہیں آتی حال بگڑتے جاتے ہیں
جیسے چراغ آخری شب ہم لوگ نبڑتے جاتے ہیں
رنگ ثبات چمن کا اڑایا باد تند خزاں نے سب
برگ و بار و نورس گلکے غنچے جھڑتے جاتے ہیں

طینت میں ہے نیاز جنھوں کے مسجود ان کی سب ہے زمیں
خاک جو یہ پامال ہے اس سے سر کو رگڑتے جاتے ہیں
راہ عجب در پیش ہے ہم کو یاں سے تنہا جانے کی
یار و ہمدم و ہمراہی ہر گام بچھڑتے جاتے ہیں
ضعف دماغ سے افتاں خیزاں چلتے ہیں ہم راہ ہوس
دیکھیں کیا پیش آوے اب تو گرتے پڑتے جاتے ہیں
قد کو حشر خرام کے اپنی ایک نہیں لگ سکتا ہے
سرو روان باغ جہاں ہر چند اکڑتے جاتے ہیں
میر بلا ناساز طبیعت خوش ظاہر ہیں لڑ کے بھی
ساتھ ہمارے راہ میں ہیں پھر ہم سے لڑتے جاتے ہیں

(۹۴)

حاکم شہر حسن کے ظالم کیوں کے ستم ایجاد نہیں
خون کسو کا کوئی کرے واں داد نہیں فریاد نہیں
یاری ہماری یک باری خاطر سے فراموش ان نے کی
ذکر ہمارا اس سے کیا سو کہنے لگا کچھ یاد نہیں
کیا کیا مردم خوش ظاہر ہیں عالم حسن میں نام خدا
عالم عشق خرابہ ہے واں کوئی گھر آباد نہیں
عشق کوئی ہم درد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے
کوہ رہیں گو نالاں برسوں لیکن اب فرہاد نہیں
لڑنا کاواکی سے فلک کا پیش پا افتادہ ہے
میر طلسم غبار جو یہ ہے کچھ اس کی بنیاد نہیں

(۹۵)

عشق نے مجھ کو مار رکھا ہے جی میں اپنے تاب نہیں

دل کو خیال صبر نہیں آنکھوں کو میل خواب نہیں
کوئی سبب ہو ایسا یارب جس سے عزت رہ جاوے
عالم میں اسباب کے ہیں پر پاس اپنے اسباب نہیں
قحط نہیں ہے دل کا اب من مارے تم کیوں پھرتے ہو
لینے والا چاہیے اس کا ایسا تو کمیاب نہیں
خط کے جواب نہ لکھنے کی کچھ ظاہر نہ وجہ ہم پہ ہوئی
دیر تلک قاصد سے پوچھا منھ میں اس کے جواب نہیں
رونا روز شمار کا مجھ کو آٹھ پہر اب رہتا ہے
یعنی میرے گناہوں کو کچھ حصر وحد وحساب نہیں
رنگ شکستہ دل ہے شکستہ سر ہے شکستہ مستی میں
حال کسو کا اپنا سا اس میخانے میں خراب نہیں
ٹھہریں میر کسو جاگہ ہم دل کو قرار جو ٹک آوے
ہو کے فقیر اس در پر بیٹھیں اس کے بھی ہم باب نہیں

(۹۶)

ہم سے تو تم کو ضد سی پڑی ہے خواہ نخواہ رلاتے ہو
آنکھ اٹھا کر جب دیکھے ہیں اوروں میں ہنستے جاتے ہو
جب ملنے کا سوال کروں ہوں زلف و رخ دکھلاتے ہو
برسوں مجھ کو یوں ہی گذرے صبح و شام بتاتے ہو
بکھری رہیں ہیں منہ پر زلفیں آنکھ نہیں کھل سکتی ہے
کیوں کہ چھپے مے خواری شب جب ایسے رات کے ماتے ہو
سرو تو بالا قد ہوتا ہے درہم برہم شاخ گل
ناز سے قدکش ہو کے چمن میں ایک بلا تم لاتے ہو
صبح سے یہاں پھر جان و دل پر روز قیامت رہتی ہے
رات کبھو آ رہتے ہو تو یہ دن ہم کو دکھلاتے ہو

جن نے تم کو نہ دیکھا ہووے اس سے آنکھیں مارو تم
ایک نگاہ مفتن کر تم سو سو فتنے جگاتے ہو
چشم تو ہے اک دید کی جا پر کب تکلیف کے لائق ہے
دل جو ہے دلچسپ مکاں تم کب کب اس میں آتے ہو
راحت پہنچی تک تم سے تو رنج اٹھایا برسوں تک
سر سہلاتے ہو جو کبھو تو بھیجا بھی کھا جاتے ہو
ہو کے گدائے کوئے محبت زور صدا یہ نکالی ہے
اب تو میرؔ جی راتوں کو تم ہر در پر چلاتے ہو

(۹۷)

مت پوچھو کچھ اپنی باتیں کہیں تو تم کو ندامت ہو
قد قامت یہ کچھ ہے تمھارا لیکن قہر قیامت ہو
ربط اخلاص اے دیدۂ دل دنیا میں ایک سے ہوتا ہے
لگ پڑتے ہو جس سے تس سے تم بھی کوئی ملامت ہو
آج سحر ہوتے ہی کچھ خورشید ترے منہ آن چڑھا
روک سکے ہے کون اسے سر جس کے ایسی شامت ہو
چاہ کا دعویٰ سب کرتے ہیں مانیے کیوں کر بے آثار
اشک کی سرخی زردی منہ کی عشق کی کچھ تو علامت ہو
سرو و گل اچھے ہیں دونوں رونق ہیں گل زار کی ایک
چاہیے رو اس کا سا رو ہو قامت ویسا قامت ہو
مل بیٹھے اس نائی کے سے کوئی گھڑی جو زاہد تو
جتنے بال ہیں سارے سر پر ویسی ہی اس کی حجامت ہو
ہو جو ارادہ یھاں رہنے کا رہ سکیے تو رہیے آپ
ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصد اقامت ہو
کس مدت سے دوری میں تیری خاک رہ سے برابر ہوں

کریے رنجہ قدم ٹک مجھ تک گر کچھ پاس قدامت ہو
منہ پر اس کی تیغ ستم کے سیدھا جانا ٹھہرا ہے
جینا پھر کج دارو و مریز اس طور میں ہو ٹک یا مت ہو
شور و شغب کو راتوں کے ہمسائے تمہارے کیا رووِیں
ایسے فتنے کتنے اٹھیں گے میرؔ جی تم جو سلامت ہو

(۹۸)

قتل کیے پر غصہ کیا ہے نعش ہماری اٹھوانے دو
ہم تو جان سے جا ہی چکے ہیں آؤ تم بھی جانے دو
جان سلامت لے کر جاوے کعبہ میں تو سلام کریں
ایک جراحت ان ہاتھوں کا صید حرم کو کھانے دو
اس کی گلی کی خاک سبھوں کے دامن دل کو کھینچے ہے
ایک اگر جی لے بھی گیا تو آتے ہیں مر جانے دو
کرتے ہو تم نیچی نظریں یہ بھی کوئی مروت ہے
برسوں سے پھرتے ہیں جدا ہم آنکھ سے آنکھ ملانے دو
کیا کیا اپنے لہو پئیں گے دم میں مریں گے دم میں جئیں گے
دل جو بغل میں رہ نہیں سکتا اس کو کسو سے لگانے دو
اب کے بہت ہے شور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس ٹک ہم بھی نکالیں دھومیں ہم کو مچانے دو
عرصہ کتنا سارے جہاں کا وحشت پر جو آجاویں
پاؤں تو ہم پھیلاویں گے پر فرصت ہم کو پانے دو
کیا جاتا ہے اس میں تمہارا ہم تو چپکے بیٹھے ہیں
دل جو سمجھتا تھا سو سمجھا ناصح کو سمجھانے دو
بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یہاں کہتے ہیں
فکر بلند سے یاروں کو ایک ایسی غزل کہہ لانے دو

ضعف بہت ہے میرؔ تمھیں کچھ اس کی گلی میں مت جاؤ
صبر کرو ٹک اور بھی صاحب طاقت جی میں آنے دو

(۹۹)

گردش میں وے آنکھیں مست ہیں جیسے بھرے پیانے دو
دانت سنا ہے جھمکیں ہیں اس کے موتی کے سے دانے دو
خوب نہیں اے شمع یہ غیرت ساتھ رہیں بیگانے دو
کب فرمان پہ تیرے ہووے یہ بازو کے پروانے دو
ایسے بہانہ طلب سے ہم بھی روز گذاری کرتے ہیں
کب وعدہ کی شب آئی جو ان نے کیے نہ بہانے دو
تیر ستم اس دشمن جاں کا تا دو کماں پر ہو نہ کہیں
دل سے اور جگر سے اپنے ہم بھی رکھے ہیں نشانے دو
کس کو دماغ رہا ہے اب یاں اس کی ضدیں اٹھانے کا
چار پہر جب منت کریے تب باتیں وہ مانے دو
غم کھاویں یا غصہ کھاویں یوں اوقات گذرتی ہے
قسمت میں کیا خستہ دلوں کے یہی لکھے تھے کھانے دو
خال سیاہ و خط سیاہ ایمان و دل کے رہزن تھے
ایک مدت میں ہم نے بارے چوٹٹے یہ پہچانے دو
عشق کی صنعت مت پوچھو جوں نیچے بھوؤں کے چشم بتاں
دیکھیں جہاں محرابیں ان نے طرح کیے پیمانے دو
رونے سے تو پھوٹیں آنکھیں دل کو غموں نے خراب کیا
دیکھنے قابل اس کے ہوئے ہیں اب تو یہ ویرانے دو
دشت و کوہ میں میر پھرو تم لیکن ایک ادب کے ساتھ
کوہکن و مجنوں بھی تھے اس ناحیے میں دیوانے دو

(۱۰۰)

آج ہمارا جی بے کل ہے تم بھی غفلت مت کریو
دل نہ رہے جو ہاتھ رکھے تو سماجت ات گت مت کریو
ڈھیری رہے ایک خاک کی تو کیا ایسے خاک برابر کی
مجھ کو زمین میں گاڑوگے تو نشان تربت مت کریو
ایسی جان کہاں ہے ہم میں رنج نہ دینا ہاتھوں کو
ایک ہی وار میں ہو چکیے گا دوسری ضربت مت کریو
مجھ کو تو مارا عشق نے آخر پر یہ وصیت یاد رہے
دیر جہاں میں تم جو رہو تو کسو سے الفت مت کریو
میری طرف کی یارو اس سے بات کوئی کہتے ہو کہو
مانے نہ مانے وہ جانے پھر تم بھی منت مت کریو
کہیے سو کیا اب چپکے دیکھو گو میں اس میں مر جاؤں
تم کو قسم ہے حرف و سخن کی مجھ سے مروت مت کریو
ہوش نہیں اپنا تو ہمیں تک میرؔ آئے ہیں پرسش کو
جانے سے آگے ان کو ہمارے پیارے رخصت مت کریو

(۱۰۱)

ناز کی یہ بھی کوئی کسک ہے جی کاہے کو کڑھاتے ہو
آتے ہو تمکین سے ایسے جیسے کہیں کو جاتے ہو
غیر کی ہمراہی کی عزت جی مارے ہے عاشق کا
پاس کبھو جو آتے ہو تو ساتھ ایک تحفہ لاتے ہو
مست نہیں پر بال ہیں بکھرے پیچ گلے میں پگڑی کے
ساختہ ایسے بگڑے رہے ہو تم جیسے مدھ ماتے ہو
پردہ ہم سے کر لیتے ہو جب آتے ہو مجلس میں
آنکھیں سب سے ملاتے ہو کچھ ہم سے ہی شرماتے ہو

سوچ نہیں یہ فقیر ہے اپنا جیب دریدہ دیوانہ
ٹھوکر لگتے دامن کو کس ناز سے تم یاں آتے ہو
رفتہ عشق کسو کا یارو راہ چلے ہے کس کے کہے
کون رہا ہے آپ میں یاں تم کس کے تئیں سمجھاتے ہو
صبر بلا پر کیا کرتے اور بیتابی کا حاصل کیا
کوئی مقلب قلبوں کا ہے میر عبث گھبراتے ہو

(۱۰۲)

کام کیے ہیں شوق نے ضایع صبر نہ آیا یاروں کو
مار رکھا بیتابی دل نے ہم سب غم کے ماروں کو
جی تو جلا احباب کا مجھ پر عشق میں اس شعلے کے پر
رو ہی نہیں ہے بات کا ہرگز اپنے جانب داروں کو
آہ نہیں دربستہ یعنی منہ پر اس مہ پارے کے
صبح تلک دیکھا کرتے ہیں محو چشمک تاروں کو
گردش چشم سیہ کاسے سے جمع نہ رکھو خاطر تم
بھوکا پیاسا مار رکھا ہے ان نے تم سے ہزاروں کو
کوہکن و مجنوں و وامق میر آئے تھے صحبت میں
منہ نہ لگایا ہم میں کنھوں نے ایسے ہرزہ کاروں کو

(۱۰۳)

جی کی لاگ بلا ہے کوئی دل جینے سے اٹھا بیٹھو
ہو کے فقیر گلی میں کسو کی رنج اٹھاؤ جا بیٹھو
کیا دیکھو ہو آگا پیچھا عشق اگر فی الواقع ہے
ایک دم اس بے چشم و درد کی تیغ تلے بھی جا بیٹھو
ایک سماں تھا وصل کا اس کے سیج پہ سوئے پھولوں کی

اب ہے زمان فراق بچھونا خار و خسک کے بچھا بیٹھو
کام کی اپنی صورت پیارے کیا کہیے کیا بگڑی ہے
آؤ کبھو مدت میں یاں تو اچھے منھ کو بنا بیٹھو
ٹیڑھی چال سے اس کی خائف چپکے کھڑے کیا پھرتے ہو
سیدھی سیدھی دوچار اس کو جرأت کر کے سنا بیٹھو
ٹیڑھی بھویں دشمن پہ کروہو عشق و ہوس میں تمیز کرو
یعنی تیغ ستم ایک اس کو چلتے پھرتے لگا بیٹھو
نکلا خط پشت لب اس کا خضر و مسیحا مرنے لگے
سوچتے کیا ہو میر عبث اب زہر منگا کر کھا بیٹھو

(۱۰۴)

عاشق ہو تو اپنے تئیں دیوانہ سب میں بناتے رہو
چکر مارو جیسے بگولا خاک اڑاتے آتے رہو
دوستی جس کولوگ کہیں ہیں جان سے اس کوخصومت ہے
ہو جاوے تم کو جوکسو سے تا مقدور چھپاتے رہو
دل لگنے کی چوٹ بری ہے اس صدمے سے خدا حافظ
بارے سعی و کشش کوشش سے دل کو اپنے بچاتے رہو
آوے بہار جنوں ہو مبارک عشق اللہ ہمارے لیے
نعل جڑے سینوں پہ پھروتم داغ سروں پہ جلاتے رہو
ابر سیہ قبلے سے آیا تم بھی شیخو پاس کرو
تحقیقی تک لٹ پٹی باندھو ساختہ ہی مدھ ماتے رہو
شاعر ہومت چپکے رہو اب چپ میں جانیں جاتی ہیں
بات کرو ابیات پڑھو کچھ بیتیں ہم کو بتاتے رہو
کیا جانے وہ مائل ہووے کب تم سے ملنے کا میر
قبلہ و کعبہ اس کی جانب اکثر آتے جاتے رہو

کیا کچھ ہم سے ضد ہے تم کو بات ہماری اڑا دو ہو
لگ پڑتے ہیں ہم تم سے تو تم اوروں کو لگا دو ہو
کیا رووِیں قدر و قیمت کو یہیں سے ہے معلوم ہمیں
کام ہمارا پاس تمہارے جو آتا ہے بہادو ہو
اتنی تو جا خالی رہی ہے بزم خوش میں اپنے سوا
جن کو کہیں جا گہ نہیں ملتی پہلو میں ان کو جا دو ہو
زنگ تو جاوے دل سے ہمارے غیر سیہ روبد گو کے
کھینچ کے تو ایک ایسی لگاؤ تیغ ستم کی جا دو ہو
صحبت گرم ہماری تمہاری شمع پتنگے کی سی ہے
یعنی ہو دل سوز جو کوئی اس کو تم تو جلا دو ہو
رنگ صحبت کس کو دکھاویں خوبی اپنی قسمت کی
ساغر مے دشمن کو دو ہو ہم کو زہر منگا دو ہو
بند نہیں جو کرتے ہو تم سینے کے سوراخوں کو
جی کے رکن میں ان رخنوں سے شاید دل کو ہوا دو ہو
آنکھ جھپک جاتی نہیں تنہا آگے چہرۂ روشن کے
ماہ بھی بیٹھا جاتا ہے جب منہ سے نقاب اٹھا دو ہو
غیر سے غیریت ہے آساں لیکن تہ کچھ تم کو نہیں
بات بتاویں کیا ہم تم کو ہم کو تم تو مٹا دو ہو
میر حقارت سے ہم اپنی چپ رہ جاتے ہیں جان جلے
طول ہمارے گھٹنے کو دے کر جیسے چراغ بڑھا دو ہو

(۱۰۶)

بات کہو ں کیا چپکے چپکے دیکھو ہو آئینے کو
دیکھو ہو تو دیکھو ہمارے جلتے توے سے سینے کو

کیا جانو تم قدر ہماری مہر و وفا کے لڑکے ہو
لوہو اپنا دیں ہیں تمہارے گرتے دیکھ پسینے کو
پھیر ایام نحس کا مجھ کو بہت کڈھب آتا ہے نظر
تم بھی غنیمت جانو میاں دس دن کے میرے جینے کو
وہ جو غیرت مہ ملتا ہے غیر سے ہم ہیں غیرت کش
سال ہمارے جی کا ظاہر ہو گا کوئی مہینے کو
لخت دل آنکھوں سے گرا سو ٹکڑا لعل کا تھا گویا
نصب کروں گا میرؔ جگر پر خوش رنگ ایسے نگینے کو

(۱۰۷)

موسم گل آیا ہے یارو کچھ میری تدبیر کرو
یعنی سایہ سرو گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو
پیش سعایت کیا جائے ہے چلن سے میری طرف سو ہے
میں تو چپ بیٹھا ہوں یکسو کوئی تو تقریر کرو
کان لگا رہتا ہے غیر اس شوخ کمان ابرو کے بہت
اس تو گناہ عظیم پہ یارو تاک میں اس کی تیر کرو
جی دینے میں اپنے ہرگز ہم کوتاہی کرتے نہیں
ظلم و ستم میں جور و جفا میں تم بھی مت تقصیر کرو؟
پھیر دیے ہیں دل لوگوں کے مالک نے کچھ میری طرف
تم بھی ٹک اے آہ و نالہ قلبوں میں تاثیر کرو
آگے ہی آزردہ ہیں ہم دل ہیں شکستہ ہمارے سب
حرف رنجش بیچ میں لا کر اور نہ اب دل گیر کرو
کیا ہو محو عمارت منعم اے معمار خرابی ہے
بن آوے تو گھر ویراں درویشوں کے تعمیر کرو
عاشق ہو ترسا بچگاں پر تا کیفیت حاصل ہو

اور کشود کار جو چاہو پیر مغاں کو پیر کرو
شعر کیے موزوں تو ایسے جن سے خوش ہیں صاحب دل
روویں کڑھیں تو یاد کریں جو ایسا کچھ اب میرؔ کرو

(۱۰۸)

کیوں کر مجھ کو نامہ نمط ہر حرف پہ پیچ و تاب نہ ہو
سو سو قاصد جان سے جاویں ایک کو واں سے جواب نہ ہو
گل کو دیکھ کے گلشن کے دروازے ہی سے پھر آیا
کیا مل بیٹھیے اس سے بھلا جو صحبت ہی کا باب نہ ہو
مستی خرابی سر پر لائی کعبے سے اٹھ کر دیر گیا
جس کو خدا نے خراب کیا ہو پھر کیوں کر وہ خراب نہ ہو
خلع بدن کرنے سے عاشق خوش رہتے ہیں اس خاطر
جان و جاناں ایک ہیں یعنی بیچ میں تن جو حجاب نہ ہو
خشم و خطاب و چیں بجبیں تو حسن ہے گل رخساروں کا
وہ محبوب تنک ہوتا ہے جس میں ناز و عتاب نہ ہو
میں نے جو کچھ کہا کیا ہے حد و حساب سے افزوں ہے
روز شمار میں میرے یارب کہے کیے کا حساب نہ ہو
صبر بلا ہائے عشق پر جو حوصلہ والے کرتے ہیں
زحمت ہے اس خستہ جگر کو دل جس کا بیتاب نہ ہو
جس شب گل دیکھا ہے ہم نے صبح کو اس کا منہ دیکھا
خواب ہمارا ہوا ہوا ہے لوگوں کا سا خراب نہ ہو
نہریں چمن کی بھر رکھی ہیں گویا بادۂ لعلیں سے
بے عکس گل و لالہ الٰہی ان جوؤں میں آب نہ ہو
اس دن تو میں مستانہ ہوتا ہوں کوئی کوچہ گدا
جس دن کاسہ چوبیں میں میرے یک جرعہ بھی شراب نہ ہو

تہ داری کچھ دیدۂ تر کی میرؔ نہیں کم دریا سے
جوشاں شور کناں آ جاوے یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

(۱۰۹)

تم کو ہم سے لاگ لگی ہے روتے ہیں تم ہنستے ہو
ہم نے کمر کو کھول رکھا ہے اپنی کمر تم کستے ہو
درج گوہر مال نہیں کچھ دیں در بستہ مصر اگر
تو بھی ایسی قیمت پر تم آگے میرے سستے ہو
رستے راہ میں دیکھ لیا ہے بستی میں سے نکلتے تمہیں
کیا جانیں ہم روز و شب تم کیدھر رستے بستے ہو
ابر کرم کی راہ تکو اب رحمت حق پہ نظر رکھو
گو کہ تم اے مستان مجرم اس غم سے دل خستے ہو
پیری میں بھی جواں رکھا ہے دختر تاک کی صحبت نے
یعنی پی پی مئے انگوری میر ہوئے کٹ مستے ہو

(۱۱۰)

ہائے ستم ناچار معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ
جان عزیز گئی ہوتی کاش اب کے سال بہار کے ساتھ
کس آوارۂ عشق و جنوں کی اک مٹھی اب خاک اڑتی ہے
اڑتی پھرے ہے پس محمل جو راہ گرد و غبار کے ساتھ
وہ لحظہ نہیں جاتا جی سے آنکھ لڑی تھی جب اس سے
چاہ نکلتی تھی باتوں سے چتون بھی تھی پیار کے ساتھ
جی مارے شب مہ میں ہمارے قہر کیا مشاطہ نے
بل کھائے بالوں کو دیے بل اس کے گلے کے ہار کے ساتھ
کیا دن تھے جو ہم کو تنہا کہیں کہیں مل جاتا تھا

اب تو لگے ہی رہتے ہیں اغیار ہمارے یار کے ساتھ
ہم ہیں مریض عشق و جنوں سختی سے دل کو مت توڑو
نرم کرے ہیں حرف و حکایت اہل خرد بیمار کے ساتھ
دیدۂ تر سے چشمہ جوشاں ہے جو قرب اپنے واقع
تو ہی رود چلے جاتے ہیں لگ کر جیب و کنار کے ساتھ
دیر سے ہیں بیمار محبت ہم سے قطع امید کرو
جانیں ہی جاتی دیکھی ہیں ہم نے آخر اس آزار کے ساتھ
رونے سے سب خاک ہمارے سر پر آئی آخر میرؔ
مدت میں ہم ٹک لگ بیٹھے تھے ہم اس کی دیوار کے ساتھ

(۱۱۱)

جان چلی جاتی ہے ہماری اس کی اور نظر کے ساتھ
یعنی چشم شوق لگی رہتی ہے شگاف در کے ساتھ
شاہد عادل عشق کے دونوں پاس ہی حاضر ہیں یعنی
پہروں پہروں خشک لبی رہتی ہے چشم تر کے ساتھ
آنا اس کا ظاہر ہے یہ مژدہ یہاں لایا نہ کرو
جی ہی نکل جاوے گا اپنا یوں ہی ذوق خبر کے ساتھ
کیا رو ماہ و خور کو لیکن جھمکا اس کا دکھا دوں ہوں
روز و شب ایک ضد سی ہوئی ہے مجھ کو شمس و قمر کے ساتھ
سینہ خالی آج پڑا ہے میرؔ طرف سے پہلو کے
دل بھی شاید نکل گیا ہے روتے خون جگر کے ساتھ

(۱۱۲)

ایک سے تم ہم فقرا سے اکثر صحبت رکھتے تھے
اور نہ تھی توفیق تمہیں تو بوسے کی ہمت رکھتے تھے

ہو تم وہ ہی تھا جو تمہارا عرش پہ خط سے آگے دماغ
پاؤں زمیں پر رکھتے تھے تو خدا پر منت رکھتے تھے
اب تو ہم ہو چکتے ہیں تک تیرے ابرو خم ہوتے
کیا کیا رنج اٹھاتے تھے جب جی میں طاقت رکھتے تھے
چاہ کے سارے دیوانے پر آپ سے اکثر بیگانے
عاشق اس کے سیر کیے ہم سب سے جدی مت رکھتے تھے
ہم تو سزائے تیغ ہی تھے پر ظلم بے حد کیا حاصل
اور بھی تجھ سے آگے ظالم اچھی صورت رکھتے تھے
آج غزال اک رہبر ہو کر لایا تربت مجنوں پر
قصد زیارت رکھتے تھے ہم جب سے وحشت رکھتے تھے
کس دن ہم نے سر نہ چڑھا کر ساغر مے کو نوش کیا
دور میں اپنے دختر رز کی ہم اک حرمت رکھتے تھے
کوہکن و مجنون و وامق کس کس کے لیں نام غرض
جی ہی سے جاتے آگے سنے وے لوگ جو الفت رکھتے تھے
چشم جہاں تک جاتی تھی گل دیکھتے تھے ہم سرخ و زرد
پھول چمن کے کس کس منہ سے ایسی خجلت رکھتے تھے
کام کرے کیا سعی و کوشش مطلب یہاں نا پیدا ہے
دست و پا بہتیرے مارے جب تک قدرت رکھتے تھے
چتون کے کب ڈھب تھے ایسے چشمک کے تھے کب یہ ڈول
ہائے وے دن جن روزوں تم کچھ بھی مروت رکھتے تھے
لعل سے جب دل تھے یہ ہمارے مرجاں سے تھے اشک چشم
کیا کیا کچھ پاس اپنے ہم بھی عشق کی دولت رکھتے تھے
کل کہتے ہیں اس بستی میں میر جی مشتاقانہ موئے
تجھ سے کیا ہی جان کے دشمن وے بھی محبت رکھتے تھے

(۱۱۳)

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم پر ہم تم سے بنائے گئے
چپکے باتیں اٹھائے گئے سرکار میں وہیں آئے گئے
اٹھے نقاب جہان سے یارب جس سے تکلف بیچ میں ہے
جب نکلے اس راہ سے ہو کر تم منہ ہم سے چھپائے گئے
کب کب تم نے سچ نہیں مانیں جھوٹی باتیں غیروں کی
تم ہم کو یوں ہی جلائے گئے وے تم کو وو ہیں لگائے گئے
صبح وہ آفت اٹھ بیٹھا تھا ہم نے نہ دیکھا صد افسوس
کیا کیا فتنے سر جوڑے پلکوں کے سائے سائے گئے
اللہ رے یہ دیدہ درائی ہوں نہ مکدر کیوں کہ ہم
آنکھیں ہم سے ملائے گئے پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے
آگ میں غم کی ہو کے گدازاں جسم ہوا سب پانی سان
یعنی بن ان شعلہ رخوں کے جوں ہی ہم بھی پائے گئے
ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھی حد ایک آخر ہوتی ہے
کشتے اس کی تیغ ستم کے گورتیں کب لائے گئے
خضر جو مل جاتا ہے گاہے آپ کو بھولا خوب نہیں
کھوئے گئے اس راہ کے ورنہ کاہے کو پھر پائے گئے
مرنے کے کیا میر جی صاحب ہم کو ہوش تھے کیا کریے
جی سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اس سے دل نہ اٹھائے گئے

(۱۱۴)

غیر نے ہم کو ذبح کیا نہ طاقت ہے نہ یارا ہے
اس کتے نے دلیری کر کے صید حرم کو مارا ہے
باغ کو اپنے بھائیں تجھ بن آتش دی ہے بہاراں سے
ہر غنچہ اخگر ہے ہم گل ایک انگارا ہے

جب تجھ بن لگتا ہے تڑپنے جائے نکلا ہاتھوں سے
ہے جو گرہ سی سینے میں دل کہیے یا انگارا ہے
راہ حدیث جو ٹک بھی نکلے کون سکھاوے پھر اس کو
روئے سخن پر کس کو دے وہ شوخ بڑا عیارا ہے
کام اس کا ہے خوں افشانی ہر دم تیری فرقت میں
چشم کو میری آ کر دیکھ اب لہو کا فوارا ہے
بال کھلے وہ شب کو شاید بستر ناز پہ سویا تھا
آئی نسیم صبح جو ایدھر پھیلا عنبر سارا ہے
کس دن دامن کھینچ کے ان نے یار سے اپنا کام لیا
مدت گذری دیکھتے ہم کو میرؔ بھی ناکارا ہے

(۱۱۵)

رات کو تھا کعبے میں میں بھی شیخ حرم سے لڑائی ہوئی
سخت کدورت بیچ میں آئی صبح تلک نہ صفائی ہوئی
تہمت رکھ مستی کی مجھ پر شیخ شہر کنے لایا
وہ بھی بگڑا حد سے سن کر بات بنائی ہوئی
شیشہ ان نے گلے میں ڈلوا شہر میں سب تشہیر کیا
ہائے سیہ رو عاشق کی عالم میں کیا رسوائی ہوئی
حوصلہ داری کیا ہے اپنی قدرت کچھ ہے خدا کی ہے
عالم عالم جہاں جہاں جو غم کی ہم میں سمائی ہوئی
کیسی ہی شکلیں سامنے آویں مڑ کر اودھر رو نہ کروں
حور و پری پر آنکھ نہیں پڑتی ہے کسو سے لگائی ہوئی
دیکھ کے دست و پائے نگاریں چپکے سے رہ جاویں نہ کیوں
منہ بولے ہے گویا یارو مہندی اس کی رچائی ہوئی
ہفتم چرخ سے اودھر ہو کر عرش کو پہنچی میری دعا

اور رسائی کیا ہوتی ہے گو کہ کہیں نہ رسائی ہوئی
دل میں درد جگر میں طپیدن سر میں سوز آشفتہ دماغ
کیا کیا رنج اٹھائے گئے ہیں جب سے ان سے جدائی ہوئی
---کے عشق میں رو رو رود بہائے تھے کے ---
کیوں نہ کہیں اب دیدۂ تر ہی گنگا کس کی کھدائی ہوئی ۸ؔ
اس کی طرف جو ہم نے تو اپنی طرف سے پھرا عالم
یعنی دوستی سے اس بت کی دشمن ساری خدائی ہوئی
اتنے لوگوں میں چشم کسو سے قہر و قیامت آفت ہے
تم نے نہیں دیکھی ہے صاحب آنکھ کوئی شرمائی ہوئی
یہ ہی بلائیں سر پہ ہیں تو آج موئے کل دوسرا دن
یاری ہوئی بیماری ہوئی درویشی ہوئی تنہائی ہوئی
جب موسم تھا وا ہونے کا تب تو شگفتہ ٹک نہ ہوا
اب جو بہت افسردہ ہوا ہے دل ہے کلی مرجھائی ہوئی
ہم قیدی بھی موسم گل کے کب سے توقع رکھتے تھے
دیر بہار رہی اب کے پر اسیروں کی نہ رہائی ہوئی
کہنا جو کچھ جس سے ہو گا سامنے میر کہا ہو گا
بات نہ دل میں پھر گئی ہو گی منہ پہ میرے آئی ہوئی

۸ؔ یہ شعر آسی میں موجود نہیں۔ص ۱۰۶

(۱۱۶)

کیا کہیے کچھ بن نہیں آتی جنگل جنگل ہو آئے
چھانہہ میں جا کے پھولوں کی ہم عشق و جنوں کو رو آئے
دل کی تلاش میں اٹھ کے گئے تھے شاید یہاں پیدا ہو سو
جان کا اپنے گرامی گوہر اس کی گلی میں کھو آئے
آہوئے عرفان صید انھوں کا گر نہ ہوا نقصان کیا

اُس عالم سے اِس عالم میں کسب کمال کو جو آئے
کچھ کہنے کا مقام نہ تھا وہ وا ہوتا تو کچھ کہتے
آنا نہ آنا یکساں تھا واں ہوتے اودھر ہم گو آئے
سب کہتے تھے چین کرے گا کچھ بھی نہ دیکھا جز سختی
پتھر رکھ کے سرہانے تک ہم اس کی گلی میں سو آئے
کیا ہی دامن گیر تھی یارب خاک بسمل گاہ وفا
اس ظالم کی تیغ تلے جو ایک گیا تو دو آئے
سر دینا ٹھہرا کر ہم نے باہر پاؤں کو رکھا تھا
ہو سو ہو دشوار ہے پھرنا میر ادھر اب تو آئے

(۱۱۷)

اس کے رنگ چمن میں شاید اور کھلا ہے پھول کوئی
شور طیور اٹھتا ہے ایسا جیسے اٹھے ہے ہول کوئی
یوں پھرتا ہوں دشت و در میں دور اس سے میں سرگشتہ
غم کا مارا آوارہ جوں راہ گیا ہو بھول کوئی
ایک کہیں سر کھینچے ہے ایسا جس کی کریں سب پابوسی
ہو ہر اک کو قبول دلہا یہ نہ کرے گا قبول کوئی
کس امید کا تجھ کو اے دل چاہ میں اس کی حصول ہوا
شوخ سلامی خوش رویاں سے رہتا ہے ماموِل کوئی
لمبے بالوں کا اس کے میں وصف لکھا ہے دور تلک
حرف ناز تو ہے طولانی پھر بھی دے ہے طول کوئی
مستی، حسن پرستی، رندی، یہی عمل ہے مدت سے
پیر کبیر ہوئے تو کیا ہے چھوٹے ہے معمول کوئی
حرف و حکایت شکر و شکایت تھی ایک وضع و تیرہ پر
میر کو جا کر دیکھا ہم نے ہے مرد معقول کوئی

کیسے کیسے روٹھے پھرے تم پر ہم تم کو منائے گئے
عاجز ہو کر آئے گئے پھر کیا کیا رنج اٹھائے گئے ۹
رسم مروت تھی یہ کہاں کی برسوں تک روپوش رہے
اب جو ایدھر کو آ نکلے تم منہ ہم سے چھپائے گئے
جرم کسو کا اس میں کیا ہے برسوں نسبت کچھ نہ رہے
لوگ غریب انھوں کو یوں تو پاس ہمارے آئے گئے
رہ گم کردہ کوئی ۔۔۔تو کھوج نکلتا ہے اس کا
کھوئے گئے جو آپ میں ان ہے پھر کسے وہ پاس گئے
خاک سے اٹھنا ہو نہیں سکتا ہرگز خاک نشینوں کا
نقش قدم سے ہٹتے گئے تو پھر نہ کوسے پائے گئے
غیر کسے جانے تھے تم سے غیرت سے ہم آگ میں ۔۔۔ ؟
ہم کو تم تو جلائے گئے وہ تم کو جلائے بجھائے گئے
اب کے جنون و عشق میں اپنی کیا رسوائی دور کیجیے
خاک ملا منہ اس کے گلی میں دیکھتے اپنے پرائے گئے
۔۔۔ہو کرنے پر میرے زنہار ان کے نظر نہ پڑے
میل ستم تھا ان کے بہت وہ تیغ پہ تیغ لگائے گئے
میر تمہارے حمیت کے یہی چاہت کی ہم گشتہ میں
ماریں بھی جا کر کھائے گئے پر اس کے گلی میں آئے گئے

---

۹ یہ غزل آسی اور فائق میں موجود نہیں۔

(۱۱۹)

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

عاشق سا تو سادا کوئی اور نہ ہو گا دنیا میں
جی کے زیاں کو عشق میں اس کے اپنا وارا جانے ہے
چارہ گری بیماری دل کی رسم شہر حسن نہیں
ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارا جانے ہے
کیا کیا آفتیں سر پر اس کے لاتا ہے معشوق اپنا
جس بے دل بے تاب و تواں کو عشق کا مارا جانے ہے
عاشق تو مردہ ہے ہمیشہ جی اٹھتا ہے دیکھے اسے
یار کے آ جانے کو یکایک عمر دوبارا جانے ہے
مہر وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
اور تو سب کچھ طرز و کنایہ رمز و اشارا جانے ہے
کیا ہی شکار فریبی پر مغرور ہے وہ صیاد بچہ
طائر اڑتے ہوا میں سارے اپنی اسارا جانے ہے
رخنوں سے دیوار چمن کے منہ کو لے ہے چھپا یعنی
ان سوراخوں کے ٹک رہنے کو کتنا نظارا جانے ہے
آگے اس متکبر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں
کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے
لگنے نہ دے بس ہو تو اس کے گوہر گوش کو پانے تک
اس کو فلک چشم مہ و حور کی پتلی کا تارا جانے ہے
تشنہ خوں ہے اپنا کیسا میرؔ بھی ناداں تلخی کش
دم دار آب تیغ کو اس کے آب گوارا جانے ہے

(۱۲۰)

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں صحرا صحرا وحشت ہے
ہم تو عشق میں ناکس ٹھہرے کوئی نہ ایدھر دیکھے گا

آنکھ اٹھا کر وہ دیکھے تو یہ بھی اس کی مروت ہے
ہائے غیوری جس کے دیکھے جی ہی نکلتا ہے اپنا
دیکھیے اس کی اور نہیں پھر عشق کی یہ بھی غیرت ہے
کوئی دم رونق مجلس کی اور بھی ہے اس دم کے ساتھ
یعنی چراغ صبح سے ہیں ہم دم اپنا بھی غنیمت ہے
خط آئے ظاہر ہے ہم پر بگڑی بھی اچھی صورت تھی
بارے کہو ناکام ہی ہو یا کام کی کچھ بھی صورت ہے
ایک ورق پر تصویریں میں دیکھی ہیں لیلی و مجنوں کی
ایسی صورت حال کی اپنی ان دونوں کو حیرت ہے
خاک کو آدم کر کے اٹھایا جس کو دست قدرت نے
قدر نہیں کچھ اس آدم کی یہ بھی خدا کی قدرت ہے
صبح سے آنسو نامیدانہ جیسے وداعی آتا تھا
آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے
کیا دلکش ہے بزم جہاں کی جاتے جسے یہاں سے دیکھو
وہ غم دیدہ رنج کشیدہ آہ سراپا حسرت ہے
جب کچھ پاس اپنے رکھتے تھے تب بھی صرف تھا لڑکوں کا
اب جو فقیر ہوئے پھرتے ہیں میر انھیں کی دولت ہے

(۱۲۱)

عشق کیا سو جان جلی ہے الفت تھی یا کلفت تھی
کوٹے گئے ہیں سب اعضا یہ محبت تھی یا محنت تھی
اب تو نڈھال پڑے رہتے ہیں ضعف ہی اکثر رہتا ہے
آئے گئے اس کے کوچے میں جب تک جی میں طاقت تھی
آب حیات وہی نہ جس پر خضر و سکندر مرتے رہے
خاک سے ہم نے بھرا وہ چشمہ یہ بھی ہماری ہمت تھی

آنسو ہو کر خون جگر کا بیتابانہ آتا تھا
شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی
جب سے عشق کیا ہے میں نے دل پر میرے قیامت ہے
ساعت دل لگنے کی شاید نحس ترین ساعت تھی

(۱۲۲)

یاری کرے جو چاہے کسو سے غم ہی غم یاری میں ہے
بے موقع یاں آہ و فغاں ہے بے اثری زاری میں ہے
ہاتھ لیے آئینہ تجھ کو حیرت ہے رعنائی کی
ہے بھی زمانہ ایسا ہی ہر کوئی گرفتاری میں ہے
باغ میں شب جو روتا میں پھرا ہوں اس بن میں سو صبح تلک
دانہ اشک روش شبنم کے ہر گل کی کیاری میں ہے
صورتیں بگڑیں کتنی ہی کیوں نہ اس کو توجہ کب ہے وہ
سامنے رکھے آئینہ مصروف طرحداری میں ہے
میر کوئی اس صورت میں امید بھی کی کیا رکھے
ایک جراحت سینے کی میرے ہر زخم کاری میں ہے

(۱۲۳)

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا جی بھی رندھا کچھ جاتا ہے
کیا جانوں میں روؤں گا کیسا دریا چڑھتا آتا ہے
سچ ہے وہ جو کہا کرتا ہے کون ہے تو کیا تجھ سے ہمیں
بیگانے تو ہیں ہی ہم وے مانے تو چاہ کا ناتا ہے
تو بلبل آزردہ نہ ہو گل پھول سے باغ بہاراں میں
رنج کش الفت ہے عاشق جی اپنا بہلاتا ہے
عشق و محبت کیا جانوں میں لیکن اتنا جانوں ہوں

اندر ہی اندر دل کو میرے سینے میں کوئی کھاتا ہے
عاشق ان نے جان لیا ہے شاید اپنا میر ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم سے وہ شرماتا ہے

(۱۲۴)

اس مغرور کو کیا ہوتا ہے حال شکستہ دکھائے سے
جس کو شبہ ہووے نہ ہرگز جی کے ہمارے جائے سے
کیسا کیسا ہو کے جدا پہلو سے اس بن تڑپے ہے
کیا پوچھو ہو آئی قیامت سر پر دل کے لگائے سے
حین تجرد سے میں اپنے روز جہاں سے گذرتا ہوں
وحشت ہے خورشید صفت اپنے ہی مجھ کو سائے سے
ہر کوئے و ہر برزن میں یا پھر پھر وہ جویاں تھا
یا اب ننگ اسے آتا ہے پاس ہمارے آئے سے
ایک جراحت کیا تسکیں دے موت کے بھوکے صید کے تئیں
شاید دل ہو تسلی اس کا زخم دگر کے کھائے سے
رنج و عنا پر دردو بلا پر صبر کیے ہم بیٹھے ہیں
الفت کلفت جاتی رہی کیا درد و غم کے اٹھائے سے
اول تو آتے ہی نہیں ہو اور کبھو جو آتے ہو
نیچی آنکھیں کیے پھرتے ہو مجلس میں شرمائے سے
جھگڑا ناز و نیاز کا سن کر بے مزہ ہم سے تم تو ہوئے
میر سخن کو طول نہ دو بس بات بڑھے ہے بڑھائے سے

(۱۲۵)

عہد جنوں ہے موسم گل کا اور شگوفہ لایا ہے
ابر بہاری وادی سے اٹھ کر آبادی میں آیا ہے

سن کر میرے شور کو شب کی جھنجھلا کر وہ کہنے لگا
نالے اس کے فلک تک پہنچے کن نے اس کو ستایا ہے
دکھن اتر پورب پچھم ہنگامہ ہے سب جاگہ
اودھم میرے حرف و سخن نے چاروں اور مچایا ہے
بے چشم و رو ہو بیٹھے ہو وجہ نہیں ہے ظاہر کچھ
کام کی صورت بگڑی ہماری منہ کیوں تم نے بنایا ہے
ظلم وستم سب سہل ہیں اس کے ہم سے اٹھتے ہیں کہ نہیں
لوگ جو پرسش حال کریں ہیں جی تو انھوں نے کھایا ہے
ہو کے فقیر تو وہاں بیٹھے ہیں رہتے ہیں اشراف جہاں
ہم نے توکل بحث کیا ہے نام خدا سرمایا ہے
برسوں ہم درویش رہے ہیں پردے میں دنیاداری کے
ناموس اس کی کیوں کے رہے ہے پردہ جن نے اٹھایا ہے
ڈھونڈ نکالا تھا جو اسے سو آپ کو بھی ہم کھو بیٹھے
جیسا نہال لگایا تھا ہم نے ویسا ہی پھل پایا ہے
میر غریب سے کیا ہو معارض گوش میں اس وادی کے
ایک دیا بجھتا سا ان نے داغ جگر بھی جلایا ہے

(۱۲۶)

دل کی لاگ بری ہوتی ہے رہ نہ سکے تک جائے ہے
آئے بیٹھے اتر بیٹھے بے تاب ہوئے پھر آئے ہے
آنکھ نہ ٹک میلی ہوئی اپنی دل مطلق بے جا نہ ہوا
دیکھی مصیبت کیسی کیسی کیا کیا رنج اٹھائے ہے
ٹھنڈے ہوتے نہ دیکھے ہرگز ویسے ہی جلتے رہتے ہیں
تلوئے حنائی اس کے ہم نے آنکھوں سے سہلائے ہے
رنگ نہیں ہے منہ پہ کسی کے بادخزاں سے گلستاں میں

برگ و بار گرے بکھرے ہیں گل غنچے مرجھائے ہے
نفع کبھو دیکھا نہیں ہم نے ایسے خرچ کے اٹھانے پر
دل کے گداز سے لہو روئے داغ جگر پر کھائے ہے
ہجر میں اس کے جان مری مشتاق پھرے گی بھٹکی ہوئی
شوق اگر ہے ایسا ہی تو چین کہاں مر جائے ہے
تاجر ترک فقیر ہوئے اب شاعر عالم کامل ہیں
پیش گئی کچھ میر نہ اپنی سوانگ بہت سے لائے ہے

---

۱۰ یہ غزل آسی اور فائق میں موجود نہیں۔

(۱۲۷)

ظلم سہے ہیں داغ ہوئے ہیں رنج اٹھے ہیں درد کھنچے
اب وہ دل میں تاب نہیں جو لب تک آہ سرد کھنچے
جیتے جی میت کے رنگوں عشق میں اس کے ہو بیٹھا
بعد مرے نقاش سے شاید صورت میری زرد کھنچے
خاک ہوئی تھی سرکشی اپنی جوں کی توں ہی طبیعت میں
میر تعجب کیا ہے اس کا تا گردوں جو یہ گرد کھنچے

(۱۲۸)

عشق اگر ہے مرد میداں مرد کوئی عرصے میں لائے
یکسر ان نامردوں کو جو ایک ہی تک تک پا میں اٹھائے
کار عدالت شہر کا ہم کو اک دو دن ہووے تو پھر
چاروں اور منادی کریے کوئی کسو سے دل نہ لگائے
پر کے اسیر دام ہوئے تھے نکلے شکستہ شکن کی راہ
اب کے دیکھیں موسم گل کا کیسے کیسے شگوفے لائے

بھوکوں مرتے مرتے منہ میں تلخی صفرا پھیل گئی
بے ذوقی میں ذوق کہاں جو کھانا پینا مجھ کو بھائے
گھر سے نکل کر کھڑے کھڑے پھر جاتا ہوں میں یعنی میر
عشق و جنوں کا آوارہ حیران و پریشاں کیدھر جائے

(۱۲۹)

ہائے جوانی وصل سے اس کے کیا کیا لذت پاتے تھے
بوسہ کنج لب سے اپنے ذائقہ پھر بھی بناتے تھے
کیا کیا تم نے فریب کیے ہیں سادگی میں دل لینے کو
ٹیڑھی کر کے کلاہ آتے تھے مئے ناخوردہ ماتے تھے
ہائے جدائی مار کے ہم کو ایک ہی جا گہہ ڈھیر کیا
وہ دن یاد آتے ہیں جب ہم ان کنے آتے جاتے تھے
رنج و الم غم عشق ہی کے اعجاز سے کھنچتے تھے ورنہ
حوصلہ کتنا اپنا جس میں یہ آزار سماتے تھے
وے دن کیسے سالتے ہیں جو آپ کو سوتے پاتے کبھو
ہم آنکھوں سے سہلا سہلا تلوے اس کو جگاتے تھے
غیروں کی تم سنتے رہے سو غیرت سے ہم پستے رہے
وے تو تم کو لگا جاتے تھے تم آ ہم کو جلاتے تھے
چاہت روگ برا ہے جی کا میر اس سے پرہیز بھلا
اگلے لوگ سنا ہے ہم نے دل نہ کسو سے لگاتے تھے

(۱۳۰)

بات ہماری یاد رہے دل بھولا بھولا جاتا ہے
وحشت پر جب آتا ہے تب جیسے بگولا جاتا ہے
تھوڑے سے پانی میں ہم نے سر کھینچا ہے مثل حباب

کہتے ہیں بے تہہ مجھ کو کیا ابھرا پھولا جاتا ہے
گام کی صورت کیا ہے اس کی راہ چلے ہے میر اگر
دیکھنے والے کہتے ہیں یہ کوئی ہیولا جاتا ہے

(۱۳۱)

کیسی سعی و کوشش سے ہم کعبے گئے بت خانے سے
اس گھر میں بھی کوئی نہ تھا شرمندہ ہوئے ہم جانے سے
دامن پر فانوس کے تھا کچھ یوں ہی نشاں خاکستر کا
شوق کی میں جو نہایت پوچھی جان جلے پروانے سے
ننگے سامنے آتے تھے تو کیا کیا زجر اٹھاتے تھے
ننگ لگا ہے لگنے انھیں اب بات ہماری مانے سے
پاس غیرت تم کو نہیں کچھ دریا پرسن غیرکو ت
گھر سے اٹھ کے چلے جاتے ہیں نہانے کے وہ بہانے سے
تم نے کہا تھا مر رہ بھی جاکر تو بندہ جا کر مر ہی رہا
کس دن میں نے عدول کیا تھا صاحب کے فرمانے سے
سوکھ کے ہوں لکڑی سے کیوں نہ زرد و زبوں ہم عاشق زار
کچھ نہیں رہتا انساں میں ہر لحظہ غم کے کھانے سے
جب دیکھو تب تربت عاشق جھکڑ سے ہے تزلزل میں
عشق ہے باد صرصر کو یاں مری خاک اڑانے سے
برسوں میں پہچان ہوئی تھی سو تم صورت بھول گئے
یہ بھی شرارت یاد رہے گی ہم کو نہ جانا جانے سے
سنی سنائی بات سے واں کی کب جیتے ہیں ہم غافل
دونوں کان بھرے ہیں اپنے بے تہہ یاں کے فسانے سے
میر کی تیری کیا سلجھے گی حرف و سخن میں گنجلک ہے
کوئی بھی عاقل الجھ پڑے ہے ناصح ایسے دوانے سے

اس تک کوشش سے بھی نہ پہنچے جان سے آخر سارے گئے
عاشق اس کی قد قامت کے بالا بالا مارے گئے
اس کے روے خوکردہ پہ نقاب لیے وہ صورت ہے
جیسے یکا یک سطح ہوا پر بدلی آئی تارے گئے
ایسی قماری سے جی کو لگا کر جیتے رہنا ہو نہ سکا
رفتہ شاہد بازی اس کے جی بھی اپنا ہارے گئے
چارہ گر اس شہر کے ہوں تو فکر کریں آبادی کا
یارب بستے تھے جو یاں وے لوگ کہاں بیچارے گئے
مشکل میرؔ نظر آتا تھا اٹھنا بار امانت کا
آئے ہم تو سہولت سے وہ بوجھ اٹھا کر بارے گئے

(۱۳۳)

شور کیا جو اس کی گلی میں رات کو ہیں سب جان گئے
آہ و فغاں کے طور سے میرے لوگ مجھے پہچان گئے
عہد میں اس کی یاری کے خوں دل میں ہوئے ہیں کیا کیا چاؤ
خاک میں آخر ساتھ ہی میرے سب میرے ارمان گئے
موت جو آتی ہے سر پر انساں دست و پا گم کرتا ہے
دیکھتے ہی شمشیر بکف کچھ آج اس کے اوسان گئے
مہلت عمر دوروزہ کتنی کریے فضولی کاہے پر
آئے جو ہیں دنیا میں ہم تو جیسے کہیں مہمان گئے
ہاتھ لگا وہ گوہر مقصد جیسا ہے معلوم ہمیں
محو طلب ہو اہل طلب سب خاک بھی یاں کی چھان گئے
کیسے سلوک انھوں کے کیا کیا چھیڑ تجاہل کی ہے نئی

نکلے تھے اس رستے سو وے جان کے ہو انجان گئے
میر نظر کی دل کی طرف کی عرش کی جانب فکر بہت
تھی جو طلب مطلوب کی ہم کو کیدھر کیدھر دھیان گئے

(۱۳۴)

سوز دروں سے آگ لگی ہے سارے بدن میں تپ سی ہے
طاقت جی کی تمام ہوئی ہے دل کی چال کڈھب سی ہے
سینے کے زخم نمایاں رہتے چاک کیے سو پردۂ در
مدت سے زخمی یہ پڑے تھے چھاتی پھٹی میں اب سی ہے
پرسش حال کبھو کرتے ہیں چشم و ناز و اشارت سے
ان کی عنایت حال پہ میرے کیا پوچھو ہو غضب سی ہے
گود میں میری رکھ دیتا ہے پاؤں حنائی دبنے کو
یوں پامال جو میں ہوتا ہوں مجھ کو بھی تو دب سی ہے
لطف کہاں وہ بات کیے پر پھول سے جھڑنے لگ جاویں
سرخ کلی بھی گل کی اگرچہ یار کے لعل لب سی ہے
خانہ خراب ہو خواہش دل کا آہ نہایت اس کو نہیں
جان لبوں پر آئی ہے پر تو بھی گرم طلب سی ہے
تم کہتے ہو بوسہ طلب تھے شاید شوخی کرتے ہوں
میر تو چپ تصویر سے تھے یہ بات انھوں سے عجب سی ہے

(۱۳۵)

کیسے نحس دنوں میں یارب میں نے اس سے محبت کی
دھوم رہی ہے سر پر میرے رنج و عتاب و کلفت کی
میں تو سرو وشاخ گل کا قطع ہی کا دیوانہ تھا
یار نے قد قامت دکھلاکر سر پر میرے قیامت کی

قسمت میں جو کچھ کہ بدا ہو دیتے ہیں وہ ہی انساں کو
غم غصہ ہی ہم کو ملا ہے خوبی اپنی قسمت کی
خلوت یار ہے عالم عالم ایک نہیں ہے ہم کو بار
در پر جاکر پھر آتے ہیں خوب ہماری عزت کی
ایک گردن سے سو حق باندھے کیا کیا کرے ہوں جو ادا
مدت اس پر ایک نفس جوں صبح ہماری فرصت کی
شیوہ اس کا قہر و غضب ہے ناز و خشم و ستم وے سب
کوئی نگاہ لطف اگر کی ان نے ہم سے مروت کی
بے پروائی درویشی کی تھوڑی تب آئی
جب کے فقیری کے اوپر میں خرچ بڑی سی دولت کی
ناز و خشم کا رتبہ کیسا ہٹ کس درجہ اعلا میں
بات ہماری ایک نہ مانی برسوں ہم نے منت کی
دکھن پورب پچھم سے لوگ آن کے مجھ کو دیکھیں ہیں
حیف کہ پروا تم کو نہیں ہے مجھ کو میری صحبت کی
دوستی یاری الفت باہم عہد میں اس کے رسم نہیں
یہ جانے ہیں مہر و وفا اک بات ہے گویا مدت کی
آب حسرت آنکھوں میں اس کی نومیدانہ پھرتا تھا
میر نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

(۱۳۶)

کیسے ناز و تبختر سے ہم اپنے یار کو دیکھا ہے
نوگل جیسے جلوہ کرے اس رشک بہار کو دیکھا ہے
چال زمانے کی ہے نظر میں شام و سحر ہے کس کو قیام
نووارد ہم یاں کے نہیں پر لیل و نہار کو دیکھا ہے
ایک نہ آیا دید میں اپنی دل کش دل چسپ اس کے رنگ

ان آنکھوں سے اس گلشن میں یوں تو ہزار کو دیکھا ہے
قدر کفر اسلام سے زائد جانی سبحہ فروشی سے
بکتے کہیں بازار میں تو نے گہ زنار کو دیکھا ہے
قلب و دماغ و جگر کے گئے پر ضعف ہے جی کی غارت میں
کیا جانے یہ قلقچی ان نے کس سردار کو دیکھا ہے
باؤ سے بھی گر پتا کھڑکا چوٹ چلے ہے ظالم کی
ہم نے دامن کوہ میں اس کے ذوق شکار کو دیکھا ہے
جمع کرو دل میر سے تم بھی بے تابی تھی دل کو بہت
اچھے کچھ آثار نہ تھے میں اس بیمار کو دیکھا ہے

(۱۳۷)

دیکھیے کیا ہو سانجھ تلک احوال ہمارا ابتر ہے
دل اپنا بجھتا سا دیا ہے جان چراغ مضطر ہے
خاطر اپنی اتنی پریشاں آنکھیں ہیں اس بن حیران
تم نے کہا دل چاہے تو بیٹھو کیا جانے دل کیدھر ہے
تاب و تواں کا حال وہی ہے آج تلک ہم جیتے ہیں
تم پوچھو تو اور کہیں کیا کل کی نسبت بہتر ہے
اس بے مہر صنم کی خاطر سختی سی سختی کھینچے ہم
جی پگھلے کیا اس کا ہم پر رحم نہیں وہ پتھر ہے
سر نہ بڑے کے چڑھیے ہرگز اس میں زیاں ہے سر ہی کا
سمجھے نہ سمجھے کوئی اسے یہ پہاڑ کی آخر ٹکر ہے
جب سے ملا اس آئینہ رو سے خوش کی ان نے نمد پوشی
پانی بھی دے ہے پھینک سبھوں کو میر فقیر قلندر ہے

میں تو تنگ صبری سے اپنی رہ نہیں سکتا ایک دم بھی
ناز و غرور بہت ہے اس کا لطف نہیں ہے کم کم بھی
جامہ احرام آخر تہ کر دل کی اور توجہ کی
در پہ حرم کے اس لیے تھے ہم کوئی ملے گا محرم بھی
دیکھ ہوا کو طائر گلشن کس حسرت سے کہتے تھے
گل ہی چلے جاتے نہیں یاں سے چلنے کو بیٹھے ہیں ہم بھی
کیا کیا میں بیتاب رہا ہوں رنج و الم سے محبت کی
ہے عالم کچھ اور ہی میرے دل کے مرض کا عالم بھی
پنبہ و داغ کیا ہے کیا کیا اچھے ہونے والے نہ تھے
زخموں پر چھاتی کے میری رکھ دیکھو تم مرہم بھی
گرم ہوا ہی ہو گا جو ہر سیر چمن کی کر لیجے
پھول بکھرتے جاتے ہیں اب آخر ہے کچھ موسم بھی
لعل جڑے سینے کو کوٹا چہرے نچے پر خاک ملی
میر کیا ہے میں نے نہایت دل جانے کا ماتم بھی

(۱۳۹)

خوار پھرایا گلیوں گلیوں سر مارے دیواروں سے
کیا کیا ان نے سلوک کیے ہیں شہر کے عزت داروں سے
دور اس سے تو اپنے بھائیں آگ لگی ہے گلستاں میں
آنکھیں نہیں پڑتی ہیں گل پر سینکتی ہیں انگاروں سے
شور کیا جو میں نے شبانگہ بے تابی سے دل کی بہت
کہنے لگا دل تنگ آیا ان مہر وفا کے ماروں سے
وہ جو ماہ زمیں گرد اپنا دوپہری ہے ان روزوں
شوق میں ہر شب حرف و سخن ہے ہم کو فلک کے تاروں سے
حرف شنو ساتھ اپنے نہیں ہیں ورنہ درآتے قافلہ ساں

راہ میں باتیں کس کس ڈھب کی کرتے ہیں ہم یاروں سے
خستہ ہو اپنا کیسا ہی کوئی پھر بھی گلے سے لگاتے ہیں
وحشت ایک تم ہی کو دیکھی اپنے سینہ فگاروں سے
داغ جگرداری ہیں اپنے کشتے ثبات دل کے ہیں
ہم نہ گئے جا گہہ سے اپنی قیمہ ہوئے تلواروں سے
حرف کی پہچان اس کو نہ تھی تو سادہ ہی کچھ اچھا تھا
بات اگر مانے ہے کوئی سو سو اب تکراروں سے
کوہکن و مجنوں یہ دونوں کوہ و دشت میں سرماریں
شوق نہیں ملنے کا ہم کو میرؔ ایسے آواروں سے

(۱۴۰)

لطف ہے کیا انواع ستم اس کے جو کوئی بیان کرے
گوش زد ایک دن ہوویں کہیں تو بے لطفی سے زبان کرے
ہم تو چاہ کر اس پتھر کو سخت ندامت کھینچی ہے
چاہ کرے اب وہ کوئی جو چاہت کا ارمان کرے
سودے میں دل کے نفع جو چاہے خام طمع سودائی ہے
وارا سارا عشق میں کیسا جی کا بھی نقصان کرے
حشر کے ہنگامے میں چاہیں داد عشق تو حسن نہیں
کاش کے یہاں وہ ظالم اپنے دل ہی میں دیوان کرے
آتش خو مغرور سے ویسے عہدہ برآ کیا ہو کوئی
دل کو جلائے منت رکھے جی مارے احسان کرے
یمن عشق غم افزا سے کام نہایت مشکل ہے
اب بھی نہیں نومیدی دل کو شاید عشق آسان کرے
کہنے میں تاب آتی نہیں ہو سیر خدا کی قدرت کی
موند کر آنکھیں میرؔ اگر تو دل کی طرف ٹک دھیان کرے

(۱۴۱)

حال نہیں ہے دلوں میں مطلق شور و فغاں رسوائی ہے
یار گیا مجلس سے دیکھیں کس کس کی اب آئی ہے
آنکھیں مل کر کھولیں ان نے عالم میں آشوب اٹھا
بال کھلے دکھلائی دیا سو ہر کوئی سودائی ہے
ڈول بیاں کیا کوئی کرے اس وعدہ خلاف کی دیہی کا
ڈھال کے سانچے میں صانع نے وہ ترکیب بنائی ہے
نسبت کیا ان لوگوں سے ہم کو شہری ہم وہ دیوانے
ہے فرہاد ایک مردم کوہی مجنوں ایک صحرائی ہے
ہے پتھر سا چھاتی پر میری کثرت غم کی حیرت سے
کیا کہیے پہلو سے دل کے سخت اذیت پائی ہے
باغ میں جا کر ہم جور ہے سو اور دماغ آشفتہ ہوا
کیا کیا سر پہ ہمارے بلبل شب آ کر چلائی ہے
کیسا کیسا عجز ہے اپنا کیسے خاک میں ملتے ہیں
کیا کیا ناز و غرور ہے اس کو کیا کیا بے پروائی ہے
قصہ ہم غم زدوں کا کہنے کے شائستہ نہیں
بے صبری کم پائی ہے پھر دور اس سے تنہائی ہے
چشمک چتون نیچی نگاہیں چاہ کے میری مشعر ہیں
میرؔ عبث بگڑے ہے ہم سے آنکھ کہیں تو لگائی ہے

(۱۴۲)

دیر سے ہم کو بھول گئے ہو یاد کرو تو بہتر ہے
غم حرماں کا کب تک کھینچیں شاد کرو تو بہتر ہے
پہنچا ہوں میں دوری سے مرنے کے نزدیک آخر تو
قید حیات سے بندے کو آزاد کرو تو بہتر ہے

جو کرے گا حق میں میرے خوبی ہے میری اس ہی میں
داد کرو تو بہتر ہے بے داد کرو تو بہتر ہے
زخم دامن دار جگر سے جامہ گذاری ہو نہ گئی
ظلم نمایاں اب کوئی جو ایجاد کرو تو بہتر ہے
عشق میں دم مارا نہ کبھو تم چپکے چپکے میرؔ کھپے
لوہو منہ سے مل کر تم فریاد کرو تو بہتر ہے

(۱۴۴)

چلتے ہو تو چمن کو چلیے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے
رنگ ہوا سے یوں ٹپکے ہے جیسے شراب چواتے ہیں
آگے ہو میخانے کے نکلو عہد بادہ گساراں ہے
عشق کے میدان داروں میں ہی مرنے کا ہے وصف بہت
یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کار کار گذاراں ہے
دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے آنسو سارے خون ہوئے
لہو پانی ایک کرے یہ عشق لالہ عذاراں ہے
کوہکن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے
عشق میں مجھ کو میرؔ نہایت پاس عزت داراں ہے

(۱۴۵)

کب وعدے کی رات وہ آئی جو آپس میں نہ لڑائی ہوئی
آخر اس اوباش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی
چاہ میں اس بے الفت کی گھبراہٹ دل ہی کو تو نہیں
سارے حواسوں میں ہے تشتت جان بھی ہے گھبرائی ہوئی
گرچہ نظر ہے پشت پا پر لیکن قہر قیامت ہے

گڑ جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اس کی شرمائی ہوئی
جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھرا کیے ہے
مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلیٰ بھی سودائی ہوئی
دود دل سوزان محبت محو جو ہو تو عرش پہ ہو
یعنی دور بجھے گی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی
چتون کے انداز سے ظالم ترک مروت پیدا ہے
اہل نظر سے چھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی
میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنہ رباط سے پیری میں
رقص کناں بازار میں آئے عالم میں رسوائی ہوئی

(۱۴۶)

عشق میں کھوئے جاؤ گے تو بات کی تہہ کو پاؤ گے
قدر ہماری کچھ جانو گے دل کو کہیں جو لگاؤ گے
صبر کہاں بے تابی دل سے چین کہاں بے خوابی سے
سو سو بار گلی میں تکتے گھر سے باہر آؤ گے
شوق کمال کو پہنچا تو نہیں خط و کتابت حرف و سخن
قاصد کے محتاج نہ ہو گے آپ ہی دوڑے جاؤ گے
صنعت گریاں صاحب بندہ دل کی لگی کب پیش گئیں
ایک نہیں سننے کا وہ تم باتیں بہت بناؤ گے
چاہ کیے درویش ہوئے تو آب و خورش کی فکر نہیں
لوہو پیو گے ہر دم اپنا غم غصہ ہی کھاؤ گے
رنگ محبت کے ہیں کتنے کوئی تمہیں خوش آوے گا
خون کرو گے یا دل کو یا داغ جگر پہ جلاؤ گے
رہتے ہیں مبہوت الفت گم گشتہ سے کلفت میں
بھولے بھولے آپ پھرو گے کس کو راہ بتاؤ گے

اشک تو ہیں پانی سے لیکن جلتے جلتے آویں گے
دل کے لگے حیران ہیں صاحب کس ڈھب مل کے بجھاؤ گے
چاہت میرؔ سبھی کرتے ہیں رنج و تعب میں رہتے ہیں
تم جو ابھی بے تاب ہو ایسے جی سے ہاتھ اٹھاؤ گے

(۱۴۷)

حال رہا ہو ہم میں کچھ تو حال کسو سے کہا جاوے
آن رہی ہے آج دموں پر کل تک کیوں کے رہا جاوے
اس کی گلی وہ ظلم کدہ ہے آ نکلے جو کوئی وہاں
گرد رہ عشق آلودہ تو لوہو میں اپنے نہا جاوے
آنکھوں کی خونابہ فشانی دیکھیں میرؔ کہاں تک یہ
زرد ہمارے رخساروں پر ہر دم خون بہا جاوے

❖❖

تمت تمام شد دیوان ہفتم میر تقی مغفور المتخلص بمیر شاہ جہاں آبادی بخط حقیر فقیر کلب علی خان عرف کالے خان تحریر فی التاریخ بست ونہم شہر رمضان المبارک یوم پنجشنبہ ۱۲۷۵ ہجری۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم — زاں کہ من بندہ گناہگارم
قاریا بر من مکن قہر و عتاب — گر خطائے رفتہ باشد در کتاب
انحطائے رفتہ را تصحیح کن — از کرم واللہ عالم بالصواب

☆☆☆

حواشی

۱۔ یہ شعر آسی اور فائق میں شامل نہیں اور مخطوطے میں ٹھیک سے پڑھا نہیں جا رہا ہے۔
۲۔ یہ شعر آسی اور فائق میں موجود نہیں۔
۳۔ یہ شعر آسی اور فائق شامل نہیں۔
۴۔ یہ شعر مخطوطے میں موجود نہیں ہے
۵۔ یہ شعر آسی میں نہیں ہے۔ جب کہ مصرع اولیٰ کی تبدیلی کے ساتھ شعر اس طرح ہے جو اوپر درج ہے۔
۶۔ یہ غزل آسی اور فائق میں شامل نہیں ہے۔
۷۔ یہ غزل آسی اور فائق میں شامل نہیں ہے۔
۸۔ یہ شعر آسی اور فائق میں موجود نہیں۔
۹۔ یہ غزل آسی اور فائق میں موجود نہیں۔
۱۰۔ یہ غزل آسی اور فائق میں موجود نہیں۔